

مرتبہ۔ عرشِ صہبائی





891.439 108

ARS U

4280

~~4280~~

4280

201 PAP-182

U

22A

68511

68514

~~68514~~

انجمن کدہ

مرتبہ :- عرش صہبائی

(جملہ حقوق محفوظ باقی ہیں)

حسُن کار :-	او۔ پی۔ شرما
نقشِ اول :-	اپریل ۱۹۴۳ء
تعداد :-	پانچ سو
کاتب :-	مہرچند خوش نویس
قیمت :-	ایک روپیہ پچاس نئے پیسے

لکھنؤ جدید نے پمپلہ پرنٹنگ پریس جتوں
سے چھپوا کر مکتبہ اُردو ادب جتوں سے شائع کیا۔

حرف آغاز

”انجم کدہ“ کا ارشاد سنت ائمہ و ادب میں اجارہ داری اور جہالت پرستی کے خلاف ایک اہم کام آغاز ہے۔ ہمارا مقصد اپنے فن کاروں کی تخلیقات کو عوام تک پہنچانے کا کام ہے۔ چاہے وہ نو مشق فن کار ہوں یا کلمہ مشق۔ ہم اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ آج کا نو مشق فن کار کل کا ادبی رہنما ہو گا۔

اس سے پہلے ہماری مختلف مطبوعات آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں۔ ممکنہ کو بعض کتابوں کے دو ڈاٹیشن شائع کرنا پڑے۔ قارئین نے جس تعاون کا مجوز دیا ہے ہم اس کے لئے اُن کے شکر گزار ہیں۔ ہماری یہی کوشش رہی ہے کہ ہم اچھی سے اچھی تخلیقات اپنے پڑھنے والوں کی خدمت میں پیش کر سکیں۔ ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ ہم اس میں توقع سے زیادہ کامیاب رہے ہیں۔

ہمارے ادارہ کی مطبوعات میں حضرت عرشِ صہبائی کے مجموعہ کلام - ”شہنشاہِ گل“ اور حضرت شبابِ اللہ کے مجموعہ کلام ”مضراب“ کو بالترتیب حکومتِ ہریانہ و کشمیر اور حکومتِ پنجاب نے سنہ ۱۹۷۱ء میں شہرِ جالندھر میں

ہمیں بھی ان مجموعوں کی اشاعت کا فخر بجا طور حاصل ہوا ہے۔
 ہمیں پوری توقع ہے کہ فارمین برہدسٹوڈ اپنے تعاون سے ہماری
 حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے۔ ہم ان متحرک حضرات سے محذرت چاہتے ہیں۔
 جن کا کلام تنگ دماغی کی وجہ سے "انجم کدہ" میں شامل نہ ہو سکا ہم عنقریب
 اس کی دوسری قسط کی اشاعت کا اہتمام کریں گے جس میں نئے فن کاروں
 کے علاوہ ماندہ تخلیقات بھی شامل ہوں گی۔ اس کے ساتھ ہی شاعری کی
 کانٹینر ایڈیشن اور حضرت اندجیت لطف کا مجموعہ کلام "مہبطِ دل" بھی
 منظر عام پر آجائے گا۔

آخر میں ہم تیج بھان تیجہ۔ راج کرشن چاولہ اور پی سونی صاحبان
 کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے ہر ممکن امداد سے ہماری
 حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم "انجم کدہ" آپ کی خدمت
 میں پیش کر سکیں۔

تمیز جبار

جنرل منیجر
 مکتبہ اردو ادب جموں
 ۱۵۔ اپریل ۱۹۶۳ء

دیس راج کی کتابی - اے - ایل - ایل بی

آپ یکم اکتوبر ۱۹۵۰ء میں بمقام گوند لالوالہ (ضلع گوجرانوالہ مغربی پاکستان) پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے سکاؤں میں حاصل کی۔ دسویں جماعت کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر سے پاس کیا۔ بی۔ اے کی ڈگری دیال سنگھ کالج اور لاہور کی ڈگری لاسالچ لاہور سے حاصل کی۔ آپ کے والد کرامی لالہ بشواس چاولہ بڑے وضعدار بزرگ تھے۔ ذریعہ معاش زمینداری اور ساہوکارہ تھا۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک گوجرانوالہ میں وکالت کی۔ انگریزوں کے انقلاب عظیم نے نرک وطن پر مجبور کیا۔ لاہور اور گوجرانوالہ کی حسین یادیں ساتھ ساتھ کہ فرولی دراجپوتانہ چلے آئے۔ وہیں اپنے بہنوئی رائے بہادر ٹاکرشیو ناتھ رائے صاحب کی وساطت سے ملازمت حاصل کی۔ لاہور میں حاجی قتیبتی - مجید لاہوری - الطاف مشہدی - عبد الحمید شاہک - منظور احمد منظور - احسان دانس اور اختر شیرانی آپ کے عزیز ترین اصحاب تھے جن سے پچھڑنے کا آپ کو بے حد رنج ہے۔

یکم اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ایس۔ ڈی - ایم کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اب اللہ (راجستھان) میں مستقل رہائش ہے۔ کلام تحت اللفظ پڑھتے ہیں۔ ادبی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ کا کلام ادبی ادبی محیاری رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ ایک اعلیٰ پایہ کے شاعر ہونے کے علاوہ ایک بلند کردار اور پُر خلوص انسان ہیں۔ ”چمن زار“ ادب من کی باتیں، ”نثری مجموعے اہلِ فوق سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کے شعری مجموعے ”سرمایہ ہوش“ اور ”شامِ مسکدہ“ زیرِ ترتیب ہیں۔ جو عن ترتیب ہی منظر عام پر آجائیں گے۔

مکتبہ اردو ادب

دیسراج بکتا جی ۱۰۷۔ ایل۔ ایل۔ جی

اُنہیں کیا اُنس میری داستان سے
 خموشی بھی رضا مندی ہے یوں تو
 مری اخبارِ اندیشی تو دیکھو
 ادب اے قصہ غم کہنے والے
 ہم ایسے ناتواں تم ایسے نازک
 ہمیں تلقین تو بہ کرنے والے
 خدا را رو کئے اپنی زباں کو
 جو واقف ہی نہیں دل کی زباں سے
 مگر اک بار ہاں کہہ دو زباں سے
 قفس کو دیکھتا ہوں آشیاں سے
 شکایت ہے اُنہیں طرِ زبیاں سے
 اُٹھائے کوئی پردہ درمیاں سے
 ذرا دیکھیں تو اُسے ہاں کہاں سے
 نکل جائے نہ کچھ میری زباں سے

سُننا ہے حضرت بکتا کو ہم نے
 ابھی کچھ لوگ واقف ہیں زباں سے

دلیسراج یکتا جی ۱۰۷۰ ایل-ایل-جی

(نظم)

گھاس والی

ایک حبیب دوشیزہ سر پر گھاس کی گھڑی لئے
 چل رہی تھی ناز سے پگڈنڈیوں کے راستے
 مست آنکھوں سے شراب نور برساتی ہوئی
 حسن دل کش سے حبیب پھولوں کو شرماتی ہوئی
 صفو فشاں چہرے پر گردِ راہ کی دھندلی نقاب
 برقی شعلہ پاش جیسے زیرِ دامنِ سحاب
 کس کے باندھے تھے قہار کے بند گوہرِ حجاب
 پھر بھی اگلیا سے پھٹا پڑتا تھا متوالا شہاب
 زیرِ لب ایک نغمہ دل دوز تھا چھیڑا ہوا
 خود ترنم آنکھڑا تھا سامنے سما ہوا
 مکتہ اردو ادب

نفی کشش ایسی کچھ اُس جادو بھری آواز میں
 ذرہ ذرہ ہو گیا گم حسرت پر وازہ میں
 گرچہ میں مطلب نہ سمجھا اُس پہاڑی گیت کا
 لیکن اُس نغمہ میں افسانہ تھا کوئی پریت کا
 دیکھ کر مجھ کو وہ دوشیزہ ذرا شرمنا گئی
 پھول سے گالوں پہ کچھ سُرخِ صبا کی چھا گئی
 رُک گئی آوازِ دل کش بند گانا ہو گیا
 دل کی دنیا میں مگر اک حشر برپا ہو گیا
 جاتے جاتے مسکرا کر ناز سے دیکھا مجھے
 اک تڑپا دل میں اُٹھی بس یاد ہے اتنا مجھے

دیکھ کر اپنے وطن میں حُسن کی مجبُوریاں
 دیدہ پُر خم سے میرے ہو گئے آنسو رواں
 دولتِ حُسن و جوانی پائے جس کے پاس ہو
 یوں بجائے تاج اُس مہوش کے سر پر گھاس ہو
 جو ہو پیدائشِ ایلانِ شاہی کے لئے
 منتخب کر لے فلک اُس کو تباہی کے لئے
 جس تنِ نازک پہ ہو اک پھول کی پتی بھی با
 وہ ہو یوں پابستہ آلام و جورِ روزگار
 آج تک یکتا مری آنکھوں میں وہ تصویر
 آہ ہندوستان میں یہ حُسن کی توفیر ہے

ملکہ اُردو ادب

پروفیسر ستیہ پرکاش سالک

تاریخ ولادت ۲۸ فروری ۱۹۱۷ء - ابتدائی تعلیم گوجرانوالہ (مغربی پنجاب) میں حاصل کی۔ پیرایٹ۔ سی کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ لاہور کی ادبی نضاؤں میں ان دنوں پیدائش ہوئی چند اختر (مرحوم) اور حفیظ جالندھری کا خوب چرچا تھا۔ آپ نے اس ادبی ماحول میں بہت کچھ سیکھا۔ جناب اختر مرحوم سے تو خاص مراسم تھے۔ کیونکہ ان کے ساتھ وہ بھی ایف۔ سی کالج میں ابھی تک طالب علم تھے۔ طبیعت پہلے ہی شلیبی ہوئی تھی۔ اس پر اختر صاحب کی قربت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

انگریزی ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ فوج میں بھرتی ہوئے مگر زمانہ طالب علمی میں شہید اعظم سردار بھگت سنگھ کی پارٹی سے منسوب ہونے کی وجہ سے سی۔ ای۔ ڈی کی رپورٹ موافق نہ بیٹھی اور آپ کو کمیشن نہ مل سکا۔ آپ دوبارہ لاہور میں داخل ہوئے۔ تقاضوں کی ڈگری حاصل کی۔ وکالت کرتے رہے مگر جلد ہی طبیعت وکالت سے اُچاٹ ہو گئی۔ پھر ٹریننگ کالج لاہور سے پنجاب بھر میں اول رہ کر ایس۔ اے۔ وی کا امتحان پاس کیا اور محکمہ تعلیم سے رجوع کیا۔ تمام عمر کالجوں میں پڑھاتے رہے۔ اور آخر گورنمنٹ ٹریننگ کالج دھرم سالہ سے بطور ایکسٹریکٹور ریٹائر ہوئے۔ مگر پڑھانے کا شغل اب بھی جاری ہے۔ اور اب آپ ڈی۔ اے۔ وی کالج ہوشیار پور میں ہیں۔

پروفیسر منتنبہ پر کاوش سالک

رات کی رانی کھلی تھی چاندنی تھی تم نہ تھے
فصل گل تھی میں تھا میری خاموشی تھی تم نہ تھے

پتا پتا منظر تھا، ذرہ ذرہ دم بخود
بلغ کی سیمیں فضا ساکت کھڑی تھی تم نہ تھے

اور ہی کچھ تھا تمہارے پاؤں کی آہٹ تھی
شاخ گل سے گرنے والی بکھڑی تھی تم نہ تھے

دل میں مدد جزہ برپا تھا رجا و بیم کا
زندگی کب سے دور ہے پرکھڑی تھی تم نہ تھے

سبل رنگت بُو نے مجھ کو کس قدر دھوکا دیا
مالتی دیوار سے لگ کر کھڑی تھی تم نہ تھے

ٹھنڈی ٹھنڈی زیر لب اک سانس بھرتی تھی ہوا
ہلکی ہلکی اوس بھولوں پر پڑی تھی تم نہ تھے

اُڑ رہا تھا پھر مرے حسن تصور کا مذاق
موتیا صحن چمن میں مہنس رہی تھی تم نہ تھے

وہم تھا میرا منہ را نفرتی نغمہ نہ تھا
برگزاردوں میں ہوا کی بانسری تھی تم نہ تھے

اس حقیقت کی خبر سالک کو شاید ہو تو ہو
لوگ کہتے ہیں کہ میری شاعری تھی تم نہ تھے

ملکتہ اُردو ادب

پروفیسر سنتیہ پرکاش سالک

دل زخم کی لذت سے ہے محروم ہمارا
 خود تیری نظر نے بھی کوئی تیر نہ مارا
 ہم راسخ الایماں ہیں یہ ایماں ہے ہمارا
 کشتی کے قریب آئے گا خود چل کے کنار
 طوفان نے اُچھا لاکھی دہیلے اُبھارا
 اک سیلِ حوادث نے مجھے پار اُتارا
 حساس دلوں کا نہیں دُنیا میں گزارا
 احساس کو کیا کیجئے احساس نے مارا
 اب شکوہِ آلام سفر ہو بھی تو کیا ہو
 منزل پہ پہنچ ہی گیا کوئی تھکا ہارا
 تم حُسن کے خورشیدِ جہان تاب تھے لیکن
 تم سے بھی نہ چمکا مری قسمت کا ستارا
 ہم بیٹھ رہے سوچ میں ڈوبے ہوئے اک سمیت
 چلتی رہی کشتی اسے کھیتا دھار
 وہ غمِ جوانی، وہ محبت بھرا پیاس
 ہاں یاد اب تک مجھے راوی سا کنار
 رہنے دے اب اس قصہ پارینہ کو سالک
 دکھتی ہوئی رگ ہے نہ اسے چھوڑ دھارا

پروفیسر ستنیہ پرکاش سالک

کہیں حُسنِ رائیگاں ہے کہیں عشقِ رائیگاں ہے
 وہ قدیر اُن کے ڈانڈے جو ملا سکے کہاں ہے
 شبِ وردِ آزمائشِ شبِ روزِ امتحان ہے
 کسی راسخِ الیقین پر ترِ احسنِ پدگماں ہے
 یہی آندھیوں کا جھولا۔ یہی برقِ کاکھلونا
 یہی آشیاں ہے میرا۔ یہی میرا آشیاں ہے
 تجھے کیا خبر ہے ظالم میرے دل کی خلوتوں کی
 کہ بھری بہار میں کیوں یہ خلا رواں دواں ہے
 یہ جینوں نہیں تو کیا ہے کہ ازل سے اک پھیرا
 ترے ساتھ رہ کے پیار سے یہ کہے کہ پی کہاں ہے
 سانسِ صیب ہے اب یہ کسک کہیں نہ بلتی
 مہدی زندگی سوار ت میرا عشقِ رائیگاں ہے
 ہے ترے سخن میں سالک وہی سحرِ خاصِ اختر
 وہی شوکتِ خنیل وہی ندرتِ بیاں ہے

پروفیسر سنجیہ پرکاش سالک

رستم رہا نہ کریم تیرا آبیار رہا
 گناہ عشق مرا حسنِ جامہ زیب نرا
 میں ایک ذرہ ناچیز ہوں مگر گدیا
 پھٹنے پائے نہ گم تابِ غم کے پاس بھی تم
 اک عمر بھر کی جدائی تھی نہ ندگی کیا تھی
 خود اپنی مشکب حقیقت کا مجھ کو فہم تھا
 مجھ ایسا اور جہاں میں خوش اعتقاد رہا
 مری اُمیدوں کا گلشن بہار رہا
 ہزار پردوں میں چھپ کر ہی آتش کا رہا
 کبھی جو چاند ستاروں سے ہکا نہ رہا
 خوشی کا ساحل مغموم درکت رہا
 خجائے کیوں مجھے اس نہ ندگی پہچان رہا
 بخش آہوں سے صحرِ خراب و خوار رہا
 اُمید و وصل نہ تھی پھر بھی انتظار رہا
 خدا کا شکر سالکِ نوموت آہی گئی
 تمام عمر اسی کا بکھلے گزرا رہا

شبابِ ملتِ اہم - بی۔ بی۔ ٹی

آپ کا جنم ۱۹۳۳ء کو ضلع مظفر گڑھ، پنجاب کے ایک چھوٹے سے قصبہ خان گڑھ کے ایک تاجر خاندان میں ہوا۔ شعر و شاعری کی طرف جناب نقیٹش صحرائی اور شفی ملتانوی صاحب کی حوصلہ افزائی نے زیادہ مائل کیا۔ تقسیم وطن کے بعد آپ کا خاندان پنجاب میں کرکڑ پتھر کے مقام پر آباد ہوا۔ یہاں طالبِ بانی بیتی کی وساطت سے جناب منظور مکتوی سے ملے۔ اور ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۱ء تک ان سے استفادہ کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ جناب جوش ملیح آبادی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہوئے۔ آپ کا کلام ہندوپاک کے ممتاز اخبارات و رسائل میں شائع ہوتا ہے۔ اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ایس۔ اے جین کالج انیانہ دیپال سنگھ کالج کرنال اور دیپال سنگھ کالج جھڑک پور تعلیم کے دوران کالج میگزین کے ایڈیٹر اور ادبی محفل کے رُوحِ رواں رہے۔ ۱۹۵۲ء میں بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۶ء میں بی۔ ٹی پاس کرنے کے بعد پنجاب سے محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کی۔ دورانِ ملازمت ہی ۱۹۵۶ء میں ایم۔ اے سے امتحان سیکرٹری ڈویژن سے پاس کیا۔ گذشتہ ۹ برس سے کالگوہ کی ریگن کیمپستانی وادی میں سیرامٹر اور ہیڈ ماسٹر دوسرے کفرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ رواں دنوں گورنمنٹ (گوان) گورنمنٹ ٹیچنگ میڈری گورنمنٹ سے وابستہ ہیں۔ آپ کا پہلا مجموعہ کلام "مضرب" نومبر ۱۹۶۱ء میں مظفر عام پر آیا۔ بے حد مقبول ہوا۔ اس مجموعہ کا اشاعت کے دوران ہی ۱۹۶۱ء کو آپ کی رفیعہ حیات کمار کی تیشِ ملت کا ناگ انجمنیت کا عادیہ پیش آیا۔

شباب الملتامیم - ۱

خونِ لہو

نم کو مرغوب تو تھے میرے شہابی عارض
 نم پرستار تو تھے میرے قد و گیسو کے
 نم پہ طاری تو ہوا تھا مری نظروں کا طلسم
 تم تھے طالب مری سانسوں کی مدھر خوشبو کے

مختصر سی مری قربت سے تمہارے دل میں
 عشق کا شعلہ بے تاب بھڑک اٹھا تھا
 میرے رنگین سراپا پہ نظر پڑتے ہی
 سینہ متھوٹے ہیں اک درد چمک اٹھا تھا

اپنے ماں باپ کی پاکیزہ رفائیت میں کبھی
 اٹھنا میرے محاسن کا لیا تھا تم نے
 "زلف بکھراؤ کوئی قص کو نہ نغمہ سناؤ"
 ایک دو شیرازہ کو یہ جھک دیا تھا تم نے

میری عادات و خصائل پہ ہوئے تم شیدا
 میرے اندازِ محکم سے ہوئے تم مستور
 تھو گئے قص و ترنم کی اداساری میں
 میرے پرکھتے تہمت سے ہوئے تم غمخور

اور تم نے بڑی شدت بڑی بیتابی سے
میرے رنگین سراپا کی تمنا کی تھی
تم نے خوابوں میں بنائے تھے کئی رنگ محل
اور ہر رنگ محل میں مری پوجا کی تھی

اپنے ماں باپ کے قدموں پر بعدِ عجز و نیاز
لکھ کے ستر تم نے مراد دستِ وفا مانگا تھا
اُن بزرگوں نے سکر نقد فقط بیس ہزار
میرے ماں باپ سے بیٹے کا صلا مانگا تھا

میرے ماں باپ کی توفیق سے بڑھ کر نکلی
تم نے طے کی تھی جو تادانِ حیات کی رقم
کون سے گینے سے لاتے وہ ہزاروں کا بہیز
اُف وہ ہر جامہ ناموس و شرافت کی قسم

کھا گئی حُسن کی تخلیق ہی خود خالق کو
اپنے شمعکار پہ فن کار کو رونا آیا
ایک لڑکی کو جہنم دینے کی پمہ مول سزا
دیکھ کر خود رسن و دار کو رونا آیا

اک طرف حرصِ عشق اک سمت محبت کا دھار
بات کچھ بھی تو نہ تھی بات فقط اتنی تھی
تم محبت کے لیے تھی تھی تھی تھی تھی
مرد کے عشق کی آفتِ نجاتِ فوط اتنی تھی

شباب للث ایم اے

غزل

دل چنچ اٹھا ضبط نے دم توڑ دیا ہے
 کس تر کا تم نے یہ ستم توڑ دیا ہے
 چھوٹا سا مرا جام منالیں تھا کہ جس نے
 ساقی تری بخشش کا بھرم توڑ دیا ہے
 کیا بھول ہوئی ہم سے کہ اب آپ نے بکیر
 وہ سلسلہ لطیف و کرم توڑ دیا ہے
 کانٹوں سے کچھ اس طور کیا پیار کہ میں نے
 پھولوں کے تنکے کا بھرم توڑ دیا ہے
 تہذیب کمن نے بستا ایساں کو تراشا
 تہذیب بر نوی نے یہ صنم توڑ دیا ہے
 خود میں نے جلادی ہے بسائی تھی جو دنیا
 تعمیر کیا تھا جو حرم توڑ دیا ہے
 کس زندگی آشفۃ کلامی نے سرِ بزم
 ساقی کی سیاست کا بھرم توڑ دیا ہے
 اے کاتبِ قسمت اتری تحریر کے صدقے
 قسمت وہ کہی ہے کہ قلم توڑ دیا ہے

تم پر سب حالت کی رحمت نہ اٹھاؤ
 اب دل کی تمناؤں نے دم توڑ دیا ہے
 ایشیا و تحسین کی دھاکر تجھے ضرور ہیں
 ہم نے تجھے اسے تیغِ رستم توڑ دیا ہے
 کچھ دوزِ پہلی گردشِ دُورِاں بھی مرے ساتھ
 پھر گردشِ دُورِاں نے بھی دم توڑ دیا ہے
 منزل ہے شبابِ اتم، بطنِ عشقِ دو عالم
 ہر کام پہ دوپہار نے دم توڑ دیا ہے

پروفیسر بیل کرسٹن اڈلنگ

”کیوں کر؟“ اڈلنگ سال پہلے دیوانی کی رات کو پیدا ہوا تھا۔ زندگی میں
 اندر سے زیادہ روشناس لیا ہوں۔ والد صاحب کو مشاعروں اور ایسی ہی
 تقریروں کا شوق تھا اور وہ مجھے ہمیشہ ہزار لے جایا کرتے تھے۔ اس لیے شاعری
 کا ذوق پیدا ہونا فطرتی تھا۔ اگرچہ اڈلنگ ادیب نہ ہوتا تو اب وہاں ہونا فطرتی غزل
 گوئی سے بچہ کوئی آٹھ سو سال راجہ رہا۔ منور صاحب نے میری بیشتر غزلوں پر اصلاح
 کی ہے اور صرف دو کا جو محفوظ اہد علم مجھے ہے ان کی بددلت ہے۔ پچھلے سال
 سال میں نے ایک خاص رنگ اپنا لیا ہے۔ بیشتر آسان زبان میں لکھتا ہوں۔
 انگریزی کا ایم۔ اے ہوں۔ اور مجھے پرتگالی، ایلین کا آئندہ ہے۔ اردو میں مجھے میر
 اور غالب، داغ اور بگر سے زیادہ پسند ہیں۔ گویہ بابت کہتے ہوئے مجھے جو کچھ نہیں
 کہیں۔ نے شعوری طور سے کسی ادیب سے اثر انداز ہونا پسند نہیں کیا۔ آج کل انگریزی
 پڑھتا ہوں اور اردو میں لکھتا ہوں۔ شاید یہ تضاد ہی میری اندر ادب کا ذوق دار
 ہے۔ پاک، اور ہند کے متعدد ماہل نے مجھے شائع کیا ہے۔ یوں میں اپنی شعری
 اہلیتوں سے مکمل طور پر مطمئن نہیں ہوں۔“

بہل کرشن اشک

رنج جائے گی غیر ہوا میں ان گلیوں کی سوندھی مٹی
 بستی چھوڑ کے جانے والو، کیا آواز نہ دے گی مٹی
 ہنس مکھ چہرے چار چھپرے، کوئی جو گیا، کوئی نہ آلا
 کیا کیا بھیس بھرے پھرتی ہے یار و رنگ گیلی مٹی
 ان راہوں میں پاؤں بڑھانے والے آہستہ آہستہ
 تیرے میلے پاؤں تلے ہے کیا جانے کس کس کی مٹی
 ہجر میں رونے والو رو کر مر بھی گئے تو کیا لے لو گے
 پانی بھاؤ گیا ہے پانی، مٹی مول اٹھے گی مٹی
 پیار کے دریا کے تیرا کوں موحیں تند گھرے کچے ہیں
 اور پھر ایک جنم کے بیری، ہنتا پانی، کچھی مٹی
 اُس کی کیا نصیر کر جس نے جسم آئسوڑ سے بندھے ہیں
 کھیل کھلونوں کے بننے کو اشک چاہے گیلی مٹی

بیل کرشن اشک

گدڑی راتوں کے تسلسل سے کوئی کیا نکلے
 چپے وہ جان نظر آنکھ جھپکتا نکلے
 اُس پہ کیا جانے کیا کیا نہ گزرتی ہوگی
 چپ رہو اک دو گھڑی کیلئے رونے والو
 رات جلتی ہے سُکھتے ہوئے صحر کی طرح
 دل کوئی راہ نہ دے بھول بھٹیاں کی طرح
 شام وہ نازِ پُلی جس کا کھلونا بھین جائے
 دیکھتے ہیں تو وہی رنگ ہے سر سے پانک
 تجھ کو دیکھیں تجھے چاہیں تجھے اپنا بھیں
 اور جو اپنا ہیں تو کیا جانے کیسا نکلے

یوں بیل کرشن اسے چھوڑ کے رُسما نہ کرو

اشک کے ساتھ رہو جانے کدھر جا نکلے

اندراجیت لطیف

آپ اردو کے مشہور شاعر جناب دبیر راج پکٹا کے بھتیجے ہیں۔ آپ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۲ء میں گوندلاں والا ضلع گوجرانوالہ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ہندو سبھا کالج انیسر میں ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ کالج میگزین کے حصّہ نشر کے مدیر رہے۔ ادبی زندگی کی ابتدا افسانہ سے ہوئی۔ ۱۹۴۴ء میں فلم لائن اختیار کی لیکن راس نہ آئی۔ ۱۹۴۵ء میں سیانکوٹ میں سر جیکل انشرومنٹس کے سکارف خاں کی بنیاد رکھی۔ تقسیم وطن کے بعد ۱۹۴۸ء میں جموں چلے آئے اور کالہ بارہ کے سلسلے میں مستقل طور پر رہیں۔ قریب پندرہ برس گئے۔

بنیادی طور پر آپ غزل کے شاعر ہیں۔ آپ کی غزلیات کشمیر کے شعری ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ کلام تحت اللفظ پڑھتے ہیں۔ لیکن اس انداز پر ترجمہ بھی نشانہ ہے۔ آپ کی غزلیات کا مجموعہ ”رابطہ دل“ زیر طبع ہے۔

مکتبہ ادب

اندراجیت لطف

میرے ساقی کی عنایات تمہیں کیا معلوم
 کیفِ زندانِ خرابات تمہیں کیا معلوم
 یہ مچلتے ہوئے جذبات تمہیں کیا معلوم
 ایک قیامت ہے یہ برسات تمہیں کیا معلوم
 ایک انسان کی تقدیر بدل سکتے ہیں
 مسرت آنکھوں کے اشارات تمہیں کیا معلوم
 اُن کی نظریں ہیں کہ ہے عالمِ انوارِ سحر
 اُٹھ گیا پردہِ ظلمات تمہیں کیا معلوم
 ذہنِ تار یک کو پُر نور بنا دیتے ہیں
 ایک شاعر کے خیالات تمہیں کیا معلوم
 بربطِ دل پہ مری جان جو چھوڑے جائیں
 کتنے شیریں ہیں وہ نعمات تمہیں کیا معلوم
 لطفِ انسان کو مفسّوح بنا دیتا ہے
 اثرِ گردشِ حالات تمہیں کیا معلوم

اندرِ جہیتِ دُطف

تمہاری ہر ادا میں دل کشتی معلوم ہوتی ہے
 وفا ہو یا جفا، اب ایک سی معلوم ہوتی ہے
 اب اُن کے دل میں بھی کچھ چاہ سی معلوم ہوتی ہے
 جوانی میں محبت لازمی معلوم ہوتی ہے
 نہ جانے کیا خطا سرزد ہوئی بوشِ محبت میں
 مزاجِ دوست میں کچھ برہمی معلوم ہوتی ہے
 تمہیں چاہا تو کیا تم چاہے جانے کے نہیں قابل
 خطا اس میں ہماری کون سی معلوم ہوتی ہے
 خُدا رکھے، ذرا کہئے اُسی انداز سے کہئے
 تمہاری شکل کچھ دیکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے
 ابھی چشمِ کرم اُس کی نہیں جو مائلِ بخشش
 ابھی میرے گناہوں میں کمی معلوم ہوتی ہے
 کسی کے کہنے پر اے دُطف توجھو دی ہستم
 مگر اب زندگی میں کچھ کمی معلوم ہوتی ہے

اندراجیت لطف

پلٹ کر کیا نہیں آؤ گے اے جان بہار اب بھی
 سہراہ طلب روتی ہے چشم انتظار اب بھی
 کسی کی یاد میں بے چین ہے مضطرب ہے محزون ہے
 فضاٹے لالہ زار اب بھی ہوائے خوشگوار اب بھی
 جوانی جاچکی ہے پھر بھی میرے دل کی دنیا میں
 قیامت سی بپا کرتا ہے حسنِ فتنہ کالہ اب بھی
 تمہارا وعدہ فردا کبھی پورا نہیں ہوتا
 تمناؤں کو ہے لیکن تمہارا اعتبار اب بھی
 پلائی تو نے جی بھر کر مگر اے پیرِ میخانہ
 دل بے تاب کو آ یا نہیں صبر و قرار اب بھی
 وہی احباب جو اکثر مصیبت میں نہ کام آئے
 خدا جانے مجھے کیوں ہے انہیں پر اعتبار اب بھی
 یہ موسم ادھر کافر نظر ساقی کی فرمائش
 مگر اک لطف ہے دیکھا جسے پرہیزگار اب بھی

عابد مناوری

جناب گوری نندن سنگھ بالی عابد مناوری ۱۷ مئی ۱۹۳۵ء کو جموں میں پیدا ہوئے۔ آپ رائیبرزادہ برکت رام صاحب بالی (بی۔ اے) کے صاحب زادے ہیں جو مناور کے ایک محرز اور خود اداکھرا لے سے تعلق رکھتے ہیں۔

آپ نے ۱۹۵۲ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۸ء تک کالج کی لیگن فضاؤں میں وقت گزارا تعلیم ایف۔ ایس۔ سی تک ہے۔ ۱۹۵۸ء میں جموں و کشمیر کے محکمہ دیہات و سدھار سے وابستہ ہیں شاعری کی ابتدا ۱۹۵۸ء میں ہوئی۔ ۱۹۶۱ء میں آپ کا پہلا مجموعہ کلام ”ہار غزل“ منظر عام پر آیا جو کافی مقبول ہوا۔ دوسرا مجموعہ کلام ”موج صبا“ زیر طبع ہے۔ شاعری کی تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ کلام میں قدرتی صلاحیت کو زیادہ دخل حاصل ہے۔

مکتبہ اردو ادب

(قطعات)

شبِ غم جب بھی تیری یاد آئی
میرے دل نے کیا ہے پوچھو محسوس
جس طرح موت کے خلائوں میں
جھلملاتا ہو زلیلت کا فالو سس

میں پہنچ کر تنہا سی محفل میں
اس طرح دیکھتا ہوں محفل کو
جس طرح اجنبی سی راہوں پر
کوئی بھٹکا ہوا مسافر ہو

ایک تنہا سی شاخ پر دو پھول
جیسے بیٹھے ہوں عاشق و معشوق
اس طرح آ رہے ہیں مجھ کو نظر
بھیل ڈل میں کسی شکائے پر

مجھ کو تھا آبروئے ضبط کا پاس
جیسے پھسلن پہ پاؤں پڑتے ہی
اشک پلوں پہ رگ گئے ایسے
اگر تے رگرتے کوئی سنبھل جائے

آرزوؤں نے آج اے عابد
جیسے پیرِ مغال ہو غائب اور
گھیر رکھا ہے یوں دلِ مرحوم
مے کدے میں ہو میکشور کا ہجوم

عابد سناری

آہ گو بام اثر تک پہنچی رات پھر بھی نہ سحر تک پہنچی
 نہ تہ کی بیہوشی ہے محک کہ جب تری راہ گڈر تک پہنچی
 سر کئے راہ وفا میں ہم لوگ لیکن اُن کو نہ خبر تک پہنچی
 بھگ گئیں اہل نظر کی نظریں بات جب میں نظر تک پہنچی
 دلِ انسان کو سکوں مل نہ سکا جیو شمس و قمر تک پہنچی
 جسدِ بد وشت نوردی تو یہ خاک اُلکے مرے گھر تک پہنچی

کس تکلف کو لئے اسے عابد

وہ نظر میری نظر تک پہنچی

عابد منادری

(رُباعیات)

چھا جائے نہ ظلمت کی گھٹائے ساقی اپنا کوئی اعجاز دکھا اے ساقی
شیشے میں آفتاب اُتار آج کی رات اک جام مئے نور پلا اے ساقی

کچھ لوگ محبت کو جہنم سمجھتے ہیں کچھ لوگ اسے سحر و فسون کہتے ہیں
جو کہتے ہیں کہتے رہیں کہنے والے ہم اس کو مگر سونہ دروں کہتے ہیں

یہ گردش ایام بھی ٹل جائے گی آفت بھی مسرت میں بدل جائے گی
سایہ تیری زلفوں کا رہا مجھ پہ اگر یہ زلیبت مری پھر سے سنہل جائے گی

دُنیا میں نہیں تجھ سے سا کوئی اے ساقی میں جانتا ہوں تو ہے نبی اے ساقی
اب توڑ بھی دے ساغر و مینا کا فسوں رندوں کو بتا راندہ خودی اے ساقی

یاد آتی ہیں مجھے وہ ساری باتیں رکتی پر رُطفِ تنہا تیری باتیں
دس گھنٹہ رہی ہیں آج بھی کانوں میں وہ میٹھی میٹھی پیاری پیاری باتیں

طالب امین آبادی

آپ مئی ۱۹۲۲ء میں بمقام امین آباد ضلع گوجرانوالہ -
(مغربی پاکستان) پیدا ہوئے۔ آپ کے بزرگ وہاں کے مشہور
معروف زمیندار تھے۔ چنانچہ انہیں کی سی لائیاں طبیعت قدرت
نے سلا کی ہے۔

طالب علی ہی کے زمانہ سے شعرو سخن کی مقامی محفلوں میں
بشرکت کرتے رہے۔ تقسیم وطن کے سانحہ دھرم سالہ (کاٹکڑہ) میں
پناہ گزین ہوئے اور وہیں کے چورہے۔

ان دنوں محکمہ ایم۔ ای۔ ایس میں برصغیریت اور ریٹائرڈ
ہیں۔ احباب کو شکایت ہے کہ کوڑے کم گو ہیں۔ وجہ دریافت کرنے
پر بڑی بے نیازی سے مسکرا کر گفتگو کا موضوع بدل ڈالیں گے۔
بہر طور احباب ان کی شاعرانہ صلاحیتوں سے کبھی بائوس نہیں ہوئے۔

طالب امین آبادی

اہل گشتاں کے دل دمھڑ کے یوں آئے جھٹکے بہت جھڑ کے
 سازش تھی یا بھول کسی کی ہم جو لڑے یوں نور کے تڑ کے
 کون یہ گزرا سوختہ سماں حسد نظر تک ہنگ سی بھڑ کے
 اپنی منزل کھوٹی کر لی منزل والوں نے خود لڑ کے
 اُن کا ہر انداز ہے اپنا اور سہوڑ جاتے ہیں بگڑ کے
 دل کی بربادی کیا کیٹے بس جباتے ہیں لوگ اُجڑ کے
 ہائے وہ مجھے لوگ تھے طالب
 چین نہ پایا جن سے بچھڑ کے

طائبین آمادی

چھبڑ دینے کیا ترے فسانے
 پھر پہلو میں درد اٹھا ہے
 وقت ہے وقت شکایت کیسی
 جوگ لیا پر جس کی غمناط
 کچا دھاکا پیار کسی کا
 دل کا رونا اب کیا روئیں
 عشق کا دعوے کرنے والو
 رگس نہ دل کا درد ہے جانا
 یہ بھی تیرا سحر ہے ساقی
 خالی خالی ہیں مے خانے
 حُسن کی طائب ساکھ سلامت
 دیوانے، ہیں پھر دیوانے

لہ ہمبر حیدر

جناب جگدیر بک بہادر سوری لہ ہمبر حیدر ۱۵ فروری ۱۹۳۸ء کو جموں کے ایک معزز اور قابل تعظیم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ لالہ ہنسی لال سوری ایڈووکیٹ سابق صدر صوبہ نیشنل کانفرنس کے فرزند ہیں۔ ان کے والد محترم چونکہ نیشنل کانفرنس کے ایک ممتاز رکن ہیں اس لئے رہبر صاحب ایام طالب علمی میں ہی تحریک آزادی سے وابستہ ہو گئے۔ جنگ آزادی کے دوران جب جموں و کشمیر میں بے پس برگیٹ کی بنیاد رکھی گئی تہ آپ نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا۔

۱۹۵۵ء میں جب آپ نے میٹرک کے امتحان میں کامیابی حاصل کی تو آپ کا شمار نیشنل کانفرنس کے قابل اور شعلے ہوئے کارکنوں میں ہونے لگا۔ جب نیشنل کانفرنس نے "پس برگیٹ" اور "پچرل فرنٹ" کو تبدیل کر کے بوختہ کانفرنس قائم عمل میں لایا تو آپ نے جموں و کشمیر کے فوجیوں کو منظم کیا۔ یہ دیکھ کر کہ بوختہ کانفرنس پر چند موقع پرست کارندوں کا غلبہ ہے آپ نے اس سے کنارہ کشی چاہی مگر صوبائی نیشنل لیڈروں نے کانگریس سبوا دل کا قیام عمل میں لانے ہوئے انہیں تنہا ہی پانے کے لئے امر تشریح دیا۔ جہاں ۵ مارچ ۱۹۵۵ء کو پچناب پردیش کانگریس کمیٹی نے انہیں قابل ترین والیٹر کے سرٹیفکیٹ سے نوازا۔ جب صوبہ جموں میں کانگریس سبوا دل کی تحریک سرگرمی کے ساتھ زوروں پر تھی تو نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے بوختہ کانفرنس کی بنیادیں ہلتی دیکھ کر آپ کو اس کے سیکرٹری ٹریر کا عہدہ سونپا۔

اس وقت آپ کشمیر یونیورسٹی سے "آئی کام" کا امتحان پاس کر چکے تھے۔ دہلی میں

داخلہ حاصل کر کے یونیورسٹی کانسٹنٹنپول میں کام بخوبی چلا رہے تھے۔ انہیں دنوں سائنس کا لے
 جموں میں سٹرائیک ہوئی اور بہت سے طلبہ گرفتار کر لئے گئے۔ یونیورسٹی کی کمیٹی
 کے دوران آپ آل جموں ڈسٹرکٹ یونیورسٹی کے جنرل سیکریٹری کے فرائض سرانجام
 دیتے رہے۔

آپ ایک قابل سیاسی کارکن، اعلیٰ مقرر، اچھے شاعر اور شریف انسان ہیں۔
 جہاں وطن کے لئے آپ نے مختلف مقامات پر اپنی خدمات پیش رکھیں وہاں اردو
 ادب کی خدمت کے لئے بھی ہمہ تن مصروف ہیں۔ آپ ادبی اور بطحالی سرگرمیوں میں
 گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ بزم اردو ادب کے روح رواں ہیں اور مکتبہ اردو ادب
 جموں کے ناظم اعلیٰ۔ ان کی سرکردگی میں بزم اردو مکتبہ نے نمایاں ترقی حاصل کی ہے۔

دھبہ جدید

پتے دل مضطر کو بہلانے چلے آئے
 ہم شام کو چپکے سے میخانے چلے آئے
 غلط کو یہ کیا سوچھی واعظ نے یہ کیا سوچا
 میخانے میں زندوں کو سمجھانے چلے آئے
 اسے جذبہ خودداری! یہ تیرا کٹھنہ ہے
 خود کھینچ کے مری جانب پیمانے چلے آئے
 آلام و مصائب سے اکتا گئے جب بھی ہم
 مینانے کے سائے میں سستانے چلے آئے
 اب تک نہ سمجھ پائے جو خود کو بھی اسے کہہ
 حیرت ہے کہ وہ ہم کو سمجھانے چلے آئے

جی ترستا ہے مُسکرا نے کو
 اہل دُنیا نے کھیل سبھا ہے
 یہ روش ہے تو خود چمن والے
 کاش! ایسا بھی ایک دن ہوتا
 سخت حیرت ہے یہ جہاں والے
 ہر قدم پر ہیں طعنہ و دشنام
 آگ لگ جلے اس زمانے کو
 اس زمانے میں دل لگانے کو
 خاک کر دیں گے آشیانے کو
 آپ سنتے مرے فسانے کو
 طول دیتے ہیں ہر فسانے کو
 یاد رکھیں گے ہم زمانے کو
 ہم بھی زندہ رہیں گے اے نہبر
 دوستوں کے فریب کھانے کو

نظر آتے ہیں وہ کچھ بدگماں سے
 شہکایت تھی ہمیں کیا کیا جہاں سے
 تمہیں پر فیصلہ پہ چھوڑتا ہوں
 تنہی بد ہے نظم گلستاں اب
 نہ اس مائیں گے اس کو دہرہ و کعبہ
 مجھے یوں راستے میں چھوڑ دے گا
 پریشانی کہ رہے ہیں مہ دستوں کی
 نئی راہیں ملی ہیں شاعری کو
 مراد دل پہن پائے تو کہاں سے
 مگر کچھ بھی نہ کہہ پائے زباں سے
 سناؤں داستانِ غم کہاں سے
 کوئی بھی خوش نہیں ہے باغیاں سے
 جسے رغبت ہے تیرے آستانوں سے
 نہ تھی اُمید میر کا رواں سے
 نہیں کچھ واسطہ ہم کو جہاں سے
 جنابِ عرش کے طرزِ بیاں سے
 دل رہبر بہ پیہم ظلم ڈھساؤ
 اسے بھی لاگ ہے کچھ امتحان سے

علا جنابِ عرش صباٹا

واحد پریمی

عبدالواحد نام ہے۔ ادبی حلقوں میں واحد پریمی کے نام سے متعارف ہیں۔ ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ اردو میں واحد اور ہندی میں پریمی تخلص کرتے ہیں۔ ۱۹۲۲ء کو مجھوپال میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا اسم گرامی عبدالستار خان صاحب ہے جو سب انسپکٹر پولیس اور قانون ماسٹر پولیس رہ کر آج کل پینشن پارہے ہیں۔ آپ سلیم فرینچر وکس مجھوپال کے پروفیسر ہیں۔ اردو اور ہندی زبان کے ہر ت سے امتحانات آپ پرائیویٹ طور سے پاس کر چکے ہیں۔

آپ کی مشقِ سخن کی عمر تقریباً نو دس سال ہے لیکن میدانِ عمل میں آئے ہوئے صرف دو سال ہوئے ہیں۔ سندھ و پاک کے بیشتر جرائد میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ آپ کی محبوب صنفِ سخن غزل ہے جس میں مسائلِ حیات و مسائلِ کائنات جذب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی کبھی تنقیدی و معلوماتی مضامین بھی لکھتے ہیں۔ ایک ڈیڑھ سال قبل "بزمِ شعاعِ ادب" مجھوپال کے نائب صدر تھے۔ مگر آج کل آپ "انجمنِ صبحِ ادب" مجھوپال کے صدر ہیں۔

ملکتِ اردو ادب

واحد پیہی

ہر اک زخم جگر رشکِ چین ہے مراد ل کیا ہے اُن کی انجمن ہے
 ہمیں وہ حق شناسِ زندگی ہیں کہ جن سے عظمتِ دار و رس ہے
 رگِ گل جس کو کہتے ہیں خرد مند وہ دیوانے کا تارِ پیرِ ہمن ہے
 سمجھتے ہیں جو گل کی دھڑکنوں کو انہیں کے ہاتھ میں نہیں چین ہے
 خمِ گیسو کو اوسلجھانے والے جبہِینِ وقت پر بھی اکسٹکن ہے
 اندھیروں میں اُجالے ڈھونڈتا ہوں یہ حُسنِ ظن ہے یا دیوانہ پن ہے
 ادھر بنی کچھ توجہ او زمانے تری جانب ماروئے سخن ہے

تو سے ہر شغریں واحد پیہی
 نگاہِ زندگی کا باکلیں ہے

فسر وہ آبلہ پا اور خستہ جاں گزے
 ہم آج اپنے نشیمن کے خود محافظ ہیں
 ذرا سنبھل کر ادھر برقی بے اماں گزے
 کہاں کہاں سے چلے اور کہاں کہاں گزے
 مری خودی محبت میں وہ گراں گزے
 وہ جس طرف سے بھی گزے یہی فضاں گزے
 ہمیشہ اپنی وفا پر اٹل رہا واحد
 حیاتِ عشق میں گول لکھ اتھاں گزے

مکتبہ اُردو ادب

عشق میں ایسا بھی اک دور گزر جاتا ہے
 زندہ رہتے ہوئے جب آدمی مر جاتا ہے
 دل میں ارمان جو اٹھتا ہے وہ مر جاتا ہے
 ریت کا تاج نخل بن کے بکھر جاتا ہے
 بحرِ آلام و حوادث میں سفیدہ دل کا
 ٹوب جاتا ہے کبھی خود ہی اُبھر جاتا ہے
 مر جاتا فیض جنوں مرحلہ داد سے بھی
 مسکراتا ہوا دیوانہ گزر جاتا ہے
 زلیات میں ایسے بھی لمحات کبھی آتے ہیں
 اپنے سائے سے بھی جب آدمی ڈر جاتا ہے
 جس قدر گیدڑ اڑاتے ہیں مخالف واحد
 اتنا ہی روتے سخن اور نکھر جاتا ہے

پروفیسر آزاد گلاٹی - ایم۔ اے

آپ کا جنم ۲۶ جون ۱۹۱۷ء کو کالا باغ ضلع میانوالی (مغربی پاکستان) میں ہوا۔ تقسیم وطن کے بعد ان کا خاندان پہلے ڈیرہ ڈون اور پھر حیدر میں قیام پذیر ہو کر ابتدائی تعلیم کالا باغ میں ہی حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے (انگریزی ادب) کا امتحان پاس کیا اور یونیورسٹی بھر میں دوسرا مقام حاصل کیا۔ ایم۔ اے کی تعلیم کے دوران پنجاب یونیورسٹی کالج ہوشیار پور کے ادبی مجلے کے مدیر رہے۔ ۱۹۴۵ء سے انگریزی ادب کے پروفیسر ہیں۔ شروع میں خالصہ کالج گورداس پور (لاہور) میں پڑھاتے رہے اور ۱۹۵۵ء سے گورنمنٹ کالج ناہرہ (پنجاب) میں تعینات ہیں۔

حصولِ تعلیم کے دوران ہی شعر و شاعری کی طرف راغب ہوئے لیکن باقاعدگی سے شاعری کا آغاز ۱۹۵۵ء سے کیا۔ انہیں دنوں ایک غیر معمولی ذہنی حادثہ کا شکار ہوئے جس کے سوز سے اپنے ذوقِ فن کو جلا دے رہے ہیں۔ بقتول ان کے وہ اپنے دوستوں خصوصاً میجر عبدالحمید خاں فرحت، جناب شباب لالت ایم۔ اے اور عرض صہبائی صاحب کے خلوص و راہ نمائی کے سہارے حادثہِ فن پر کامزن ہیں۔ 'اردو' ہندی اور انگریزی تینوں زبانوں میں لکھتے ہیں۔ ہندی میں افسانوں کا پہلا مجموعہ 'کالا' کی مرتبہ ۱۹۵۹ء میں طبع ہو کر اہل نظر سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اُس کا مجموعہ 'کلام' لکھنؤ میں زیرِ ترتیب ہے۔

مکتبہ اردو ادب

آزاد کلائی

اب کیا کہیں کہ کیا افسانے بن گئے ہیں
 دنیا میں جو تھے اپنے پیگے بن گئے ہیں
 لمحاتِ دل نشیں تھے جو میری زندگی کے
 کچھ خواب بن گئے کچھ افسانے بن گئے ہیں
 گلشنِ ہرک اٹھے ہیں تم جس طرف گئے ہو
 ہم جس طرف بڑھے ہیں دیرانے بن گئے ہیں
 کیا زعم آگئی تھا اہلِ فرد کو خدو پر
 اب فرطِ آگئی سے دیوانے بن گئے ہیں
 دیوانگی میں ہم کو اتنی تو آگئی ہے
 دیوانے ہو گئے یا دیوانے بن گئے ہیں
 آزاد! اہلِ فن کو یہ کیا فرارِ سوجھا
 آلامِ زندگی سے پیگے بن گئے ہیں

آزاد گلائی

بادوں کی انجمن میں ترے پاس جب گئے
 ہم چشم مشکبار لئے باادب گئے
 جیسے چہ درخِ صبح کی لوتیز ہر گئی
 یوں آئی میرے دل میں تری یاد شب گئے
 گزرے جو تیرے عارض و گیسو کے قُرب میں
 اے دوست! اب کہاں وہ مہرے روز و شب گئے
 وہ ولولے تھے آئینہ دایرِ حیات جو
 تجھ سے بچھڑ کے باغِ غمِ دل میں دب گئے
 پلٹے تو راکِ شکست کا احساس تھا ہمیں
 جانے کو تیرے کوچے میں ہم بے سبب گئے
 آزادِ دنِ شباب کے تھے اتنے مختصر
 معلوم ہو سکا نہ وہ کب آئے کب گئے

آزاد گلاٹی

غم اس طرح بھی تو لازم ہے زندگی کے لئے
 شکرِ غم کی ضرورت ہے ہر خوشی کے لئے
 یہ کون شکوہ سرا بیان غم کو سمجھا لے
 کہ وقفِ دولتِ غم ہے کسی کسی کے لئے
 خبر ہے آپ کو مرنے سے آپ پر جو کبھی
 وہ اب بھی جیتے ہیں مرنے پہ آپ ہی کے لئے
 یہ تم اُداس ہو یا آگئی ہے فصلِ غزاں
 چمن میں پھول ترستے ہیں جو ہنسی کے لئے
 مری نگاہ سے کھل جائے گا جمالِ ترا
 کرنِ کالمس ضروری ہے ہر کلی کے لئے
 قریب تر جو رگِ حیاں سے بھی رہا ہم کو
 ترس رہے ہیں اب آزاد! ہم اُسی کے لئے

برکاتش نامتھ پر دینے

آپ ۲۳ فروری ۱۹۴۲ء کو قصبہ اُرم ضلع امرتسر (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ لیکن کالج کامنہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ ۱۹۵۳ء میں پنجاب یونیورسٹی کے ادیب فاضل کے امتحان میں پرائیویٹ طور پر شامل ہوئے اور یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۶۱ء میں پرائیویٹ طور پر بی اے (اُردو) کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ آپ کے دو شعری مجموعے "نشن زار" (قطعات) اور "جادو منزل" (غزلیات) منظر عام پر آچکے ہیں۔ آپ نے سب سے پہلا شعریاتوں جماعت میں کہا۔

پرسکاش ناٹھ پرویز

گھبرا گئے ہیں تیرگی زندگی سے ہم
 جلوں کی بھیک مانگ رہے ہیں کسی سے ہم
 دیوانگی بخیر شبستانِ زیات کو
 روشن کریں گے مشعلِ دیوانگی سے ہم
 بے اختیار آتی ہے مروحِ دل کی یاد
 سنتے ہیں جب بھی نامِ تمہارا کسی سے ہم
 وہ تو غمِ حیات ہمیں راسِ آگیا
 مایوس ہو چلے تھے بہت زندگی سے ہم
 آخر تمہارے غم کو دیکھنا ہے منہ ہمیں
 رکھیں گے اب نہ کوئی تعلق کسی سے ہم
 تیرے کرم سے دادِ طلب ہیں اخطامعاف
 منسوب ہو گئے ہیں تیری برہمی سے ہم
 پرویز یہ زوالِ محبت ہے یا عروج
 آگے نکل گئے ہیں حدِ درخودی سے ہم

پیرکاش تانہ پیر وینز

کوئی منزل نہ کوئی جاہ ہے عشق اپنا بھی کتنا سادہ ہے
 زندگی خوب موت اُس سے خوب کیا کہوں میرا کیا ارادہ ہے
 اس میں آجاؤ تم غزل بن کر زندگی اک بیاض سادہ ہے
 جس کو آب حیات کہتے ہیں دوسرا نام اس کا بادہ ہے
 آج کل مکہ دفن کے چہرے پر حسن اخلاص کا لبادہ ہے
 آپ برہم نہ ہوں محبت پر یہ مرا جسم بے ارادہ ہے
 مستقل بادہ خواہ ہوں پر ویزہ
 میری جو سانس ہے وہ بادہ ہے

محمد شقیع علی خاں اختر رضوی یہ پلوی

”اپنے محبوب وطن شہر بریلی محلہ بہاری پور جنوری ۱۹۱۱ء
میں پیدا ہوا۔ قرآن مقدس حفظ کرنے کے بعد عربی و فارسی کی تعلیم
مدیر منظر اسلام محلہ سوداگران بریلی میں پائی۔ انگلہ بہری نویں جماعت
طے کر کے ریلوے میں بحیثیت گارڈ ملازمت کی۔ مگر ذوقِ تقریر
نے ریلوے کی ملازمت ترک کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور اب بریلی
میں نسیل بود ڈ میں ایک کلرک کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔
میرے دل کی زبان نے میرے جذبات و تاثرات کی ترجمانی
کاپنا شعار بنا لیا ہے اور یہی میری شاعری اور شعریت ہے۔
شاعری کا مدعی نہیں۔ محسوسات و وجدانیت سمجھانے کی چیز نہیں۔
جو لطف کنایہ میں ہے وہ تصریح میں نہیں۔ چند کتابیں شائع
ہو چکی ہیں۔ ”لؤلؤ القلوب“ فریشتی بک ایجنسی لاہور، ”مکاشفۃ امید“ ڈاکٹر
محمد عبدالغنی کانیپور، ”فضائل رسول“ کوئٹہ، ”سید مصدوم علی“ تاجر کتب
بریلی، ”چند ناول جنٹلمین“ بک ڈپو امین آباد، ”لکھنؤ اعمال“ بخشش
محمد علی خاں رام پور، ”زبر قلم“ اختر العروص، ”حبس میں فنِ عروض و غبر“
و غیرہ یہ کتابیں کچھ شائع ہو چکی ہیں۔

اختر رضوی بریلوی

بزم عالم میں کہیں میں اُلٹا بر دوش تھا
 ضبط میں اک شان تھی اور عزم میں اک عیش تھا
 شام غریت روکش ہنکا مٹہ تنویر تھی
 بیدہ شب میں یقیناً کوئی خود روپوش تھا
 اللہ اللہ یہ کمال جذبہ والہ فطری
 ہر قدم کے ساتھ کوئی مختار منزل کو ش تھا
 دُوح جب نہ پئی انا الحق کہہ دیا منصوئے
 دل جب اچھلا خود کوئی آغوش و آغوش تھا
 اضطراب دل تھا اپنا اک سکون مستقل
 غم کی رو داہ مکمل نعمت خاموش تھا
 آنکھ کا ہر اشک ہوتا جاذب کُل کائنات
 وہ تو یہ کہے کہ میں خرواج تک خاموش تھا
 کون ہے ساغرِ کف اور کون ہے بینا پوش
 محفل ساقی میں اختر تہا کس کو ہوش تھا

انحتر رضوی ہریلوئی

یاس درماں کا شریک شب بچراں ہوتا
 اہل دل کے لئے ہے صبح بہاراں ہوتا
 بات کہنے کی نہیں ہے جوزیاں سے کہے دوس
 ورنہ کیا بات تھی آپ اپنا ہی عنوان ہوتا
 دیکھ لیتا ہے تصور کی نگاہوں سے نہیں
 طالب دید سے بیکار ہے پنہاں ہوتا
 شامِ فرقت اُسے اک پیکرِ عنائی ہو
 جس کو حاصل ہو ترے غم میں پریشاں ہونا
 بھول سکتی ہے نہ ہیگانہ نگاہی میری
 وہ غم و درد کا انگشت بدنداں ہونا
 اشکِ پیہم تری مجبوری کے صدقے لیکن
 مجھ سے دیکھنا نہ گیا اُن کا پیشیاں ہونا
 میں تو یہ سمجھا ہوں ترے غیبِ عناصرِ انحر
 چمکے ہیں تانہوں کا نام ہے لساں ہونا

راجندر ناتھ رہبر ایم۔ اے

آپ پٹانکوٹ کے مقتدر وکیل پنڈت
 نزولک چند صاحب کے حشیم و چراغ ہیں۔ سنجیدہ
 مزاج، روشن دماغ، زود فہم، خوش خلق اور مہذب
 ہونے کے علاوہ ذہین دلسا اور نیکو عینی کے مالک ہیں۔
 آپ نے خالصہ کالج امرتسر سے ایم۔ اے
 کیا۔ اور اکوئٹڈ جنرل پنجاب شملہ کے دفتر میں
 ملازمت اختیار کر لی۔ اور تاحالی وہیں دونوں افراد
 ہیں۔ بزم ادب شملہ کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ یہ کہنا
 بے جا نہ ہو گا کہ شملہ میں ادبی سرگرمیوں کے توجہ رواں
 ہیں۔ آپ کی ذات دوستوں کے لئے فخر کا باعث
 ہے۔ آپ نے ۱۹۶۱ء میں شملہ کے فخر اکرام کا
 منتخب کلام "آغوشِ گل" کے نام سے شائع کیا۔
 حال ہی میں آپ کا پہلا مجموعہ کلام "کلس" منظر
 عام پر آیا ہے جو بلاشبہ اردو زبان کے شعری
 ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔

راجندر ناتھ بھٹ

ملکتِ جب تری نظر ہوگی
ہر خوشی میری ہم سفر ہوگی

اس جہانِ حریفِ اُلفت میں
زندگی کس طرح بسر ہوگی

قاتلِ دل کوئی تو ہے آخر
تو نہیں تو تری نظر ہوگی

دوستِ تیری کیا خبر تھی مجھے
پیار دن سے بھی مختصر ہوگی

عشق کی راہ اے دلِ نادان
ہم نہ کہتے تھے پُر خطر ہوگی

شبِ غم اور تو نہ کچھ ہوگا
اک صدائے سحر سحر ہوگی

ہنس لے رہے کہ کوئی آیا ہے
آہ و زاری تو عمر بھر ہوگی

راجندر ناتھ رھبر

گاہِ شعلہ ہے گاہِ شبنم ہے
 ہائے کیا چیز آپ کا غم ہے
 آپ کے ہجرتیں یہ عالم ہے
 میں ہوں اور ایک لشکرِ غم ہے
 آ بھی جاؤ کہ مجھ نہ جاؤ کہیں
 زندگی کا چہرہ غم ہے
 عشق میں جس کے جل چکا ہوں
 پوچھتے ہیں تجھے کوئی غم ہے
 ہونے والا ہے حادثہ کوئی
 شدتِ درد آج کچھ کم ہے
 زندگی بھی نشانہ کہ دوں گا
 آپ کی ہر خوشی مقدم ہے
 پوچھتے کیا ہو مشغلہ دل کا
 بس وہی زندگی کا ماتم ہے
 مجھ کو اپنی خبر نہیں رہبر
 اور ان کا خیال ہر دم ہے

ہمند پر پرتاپ چاند اکیم - اے

جناب ہمند پر پرتاپ چاند میں وہ ندامت خویاں موجود
ہیں جو ایک اچھے انسان میں ہونی چاہئیں۔ اُن کے دل
میں احباب کے لئے بے پناہ خلوص اور محبت ہے۔ وہ
خوش خلق اور خوش اخلاق انسان ہیں۔ بناوٹ اور تصنع
سے دور بھاگتے ہیں۔ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے
ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود عجز و انکساری
کا مجسمہ ہیں۔ ادب کی صحت مند قدروں کے حامل ہیں
اور فن کے پرستار۔

پنجاب کی ادبی محفلوں میں ان کا نام احترام
اور محبت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ کم گو سہی لیکن بڑگو ہیں۔
جب بھی ان سے ملے مسکراتے ہوئے استقبال
کریں گے۔ اُن کی یہ مسکراہٹ دائمی ہے۔ لہذا یہ اسے
ادبی ہنگاموں کی روحِ مددگار ہیں۔ ان کا کلام معیاری
اور ممتاز رسائل میں شائع ہونا رہتا ہے۔ اُنڈیا ریڈیو
جلندھر سے بھی بڑا کامیاب کمرے رہتے ہیں۔ لہذا
سے ملنے والے ادبی جزائے سر پرست ہیں۔

ہندوستان چاند ایلم - اے

دم ناک میں ہے پھر بھی ہیں راضی بہ رضا ہم
 ڈھونڈیں گے نہ آزارِ محبت کی دوا ہم
 فدے بھی نہیں ہم تو، مگر آپ ہیں نیر
 کیا آپ سے نسبت ہو؟ کجا آپ! کجا ہم!
 مٹنے کی نہیں حسن و محبت کی یہ سہیں
 پابندِ جفا آپ ہیں پابندِ وفا ہم
 یہ حسنِ طلب، شانِ کرم کے نہیں شایاں
 چاہیں گے نہ ایثارِ محبت کا صلہ ہم
 الشکرے اُس چشمِ سیہ مست کا اعجاز
 بکتے بھی نہیں سوئے مٹے ہوشِ ربا ہم
 رہتے ہیں ہمیشہ وہ کمر بستہ رستم بہر
 ہوتے ہی نہیں لطف کے اسبابِ فراہم
 بل جائے کہیں دل سے دل لے چاند تو جاہیں
 ملنے کو نکاہیں بھی ملیں ہاتھ بھی باہم

عہدِ میرِ تاپ چاند

خیر مانا تجھ کو میرے عشق نے رسوا کیا
کون پوچھے تجھ سے ہریرے عشق نے کیا کیا

میرے لب پر آپ کی بیدار کا شکوہ ہو غلط
جو ہوا اچھا ہوا ہاں جو کیا اچھا کیا

اے وفا دشمن! کہاں تک نیلِ خاقل کشیاں
ہو چکی حد اب فریب وعدہ فردا کی۔ آ

لوکنے سے آگے کچھ اور بھی آنکھوں میں اشک
ضبطِ پیہم نے بھی مغل میں ہمیں رسوا کیا

دردِ مخمّن بھی نہ پایا تھا کہ اُس بیدار نے
پھر نئے فتنے جگائے پھر ستم برپا کیا

کون لا سکتا ہے تیرے جلوہ روشن کی تاب
ہم کو شکوہ ہی نہیں تو نے اگر پردا کیا

کیا یہی ہے نشانِ عشق؟ اے چاندِ خوشی شوگر
حسن کی آنکھوں میں آسوا اور تو دیکھا کیا

ہند رپڑ تاپ چاند

جب وہ ٹکل رونا مجھے خنداں نظر آیا
 ہر غار میں سو حسن نگستاں نظر آیا
 مافوس ہوا جب غم جاناں سے دل رزار
 ہر غم مجھے صد کیف بہ داماں نظر آیا
 یہ جوشِ عقیدت ہے کہ طوفانِ تجلی
 ہر شے میں مجھے جلوۂ جاناں نظر آیا
 جب دیدۂ دل خوابِ خودی سے ہوا بیدار
 دہرے میں بھی اک حیرتِ خشاں نظر آیا
 کیا کچھ نہیں پشیمان نہ ہوا اپنی وفا پر
 جب اپنی جفا پر وہ پشیمان نظر آیا
 یہ سانس ہے سینے میں کہ شمشیرِ دلاں ہے
 فرقت میں مجھے حشر کا سماں نظر آیا
 کیا کیا نہ ستم چاند پر احباب نے ڈھائے
 لیکن اُسے جب دیکھا وہ خنداں نظر آیا

کمل حیات عاجز

آپ یکم ستمبر ۱۹۲۷ء کو لاہل پورہ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی پٹنٹ ہرنام داس صاحب شرما ہے۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے۔ ادیب فاضل کا امتحان نمایاں حیثیت سے پاس کیا۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۹ء تک فوج میں ملازم رہے۔ ۱۹۴۷ء سے اب تک حکومت پنجاب کے آئندہ قیدیہ میں ملازم ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں شترکنا شروع کیا۔ ابتدا میں جناب پریم وارہ پٹنی سے اصلاح لیتے رہے۔ لیکن اُن کے بھٹی چلے جانے کے بعد حضرت لوہار صاحب سے باقاعدہ اصلاح لیتے ہیں۔ ۱۹۵۹ء سے انجمن اردو پیشالہ کے سیکرٹری ہیں۔ "مذکرہ شتراپنجاب" کی تالیف پُوری تحقیق سے کر رہے ہیں۔ یہ مجموعہ عنقریب ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آجائے گا۔ آپ کے برادرِ خمد جناب سلیکھ شرما بھی شتر و شاعری سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں اور شاعر نواز ہیں۔

کمل جیت عاجز

مری آنکھوں سے روز و شب جو اشکوں کی روانی ہے
 مری ناکا میوں، بربادیوں کی ترجمانی ہے
 مرے دامن میں اکسیر حیات جاودانی ہے
 مرے ہاتھوں میں اب جام شرابِ ارغوانی ہے
 بھلے بہیم ہی ہو جا میں مگر یہ جی میں ٹھانی ہے
 انہی کے منہ پر اپنی داستانِ غم سُنانی ہے
 کسی کی یاد کو محفوظ کر رکھا ہے سینے میں
 محبت کی امانت ہے محبت کی نشانی ہے
 مرا چھوٹا سا دل ہے آئینہ اسرارِ مہستی کا
 مری دیوانگی نے اک جہاں کی خاک چھانی ہے
 جہاں والو نہ ٹھکراؤ غمِ اُلفت کے ماروں کو
 انہی کے دم سے قائم کچھ وقارِ زندگانی ہے
 نرے نام و تخلص میں کسان یہ بات اسے عاجز
 تری شہرت کا باعثِ اک تری جاؤ بیانی ہے

کمل جیت عاجز

کیا خوب ترے غم نے مشکل مری آساں کی
 کچھ پیش نہیں جاتی اب گردشِ بدراں کی
 پھر جھوم کے ابرہ اٹھا پھر مہکدہ یاد آیا
 اُس دشمنِ ایمان نے پھر زلف پریشاں کی
 چاہیں تو ہم اہلِ دل سوزِ غم پہناں سے
 ”فدے کو چمک دے دیں مہر و مہرِ تاباں کی“
 لبِ امن کے داعی ہیں دلِ جنگ کا حامی ہے
 کیا خوب سیارت ہے اس دُور کے اندماں کی
 کچھ اور نشتائیں مَدُون ہوئیں دل میں
 کچھ اور بڑھی لَدُونِ اس خانہ دیراں کی
 بہسارِ محبت کے لبِ تونہ ملے عاجز
 خاموش نکاہوں سے شرحِ غم پہناں کی

کمل جیت عاجز

جس میں ہر مستی حیات نہ تھی
 وہ تری چشم التفات نہ تھی
 کر دیا تو نے جاوداں اس کو
 اصل میں عشق کو ثبات نہ تھی
 سو گئی کیوں اُسیدِ دل بے وقت
 کیا کبھی زندگی میں رات نہ تھی
 سست چلتی ہے نبضِ ہستی کیوں
 ایسی پہلے تو کوئی بات نہ تھی
 دل کو جس نے بنا دیا بسمل
 زہر تھا نگہِ التفات نہ تھی
 صبح سے شوقِ منتظر تھے جلوے
 زلف سے بڑھ کے کوئی رات نہ تھی
 دونوں عالم سہاگے محسوس ہیں
 وہ سرا دلِ مخا سائنات نہ تھی

عشرت کاشمیری

جناب غلام مصطفیٰ اعشرت کاشمیری بپتام سنگھ
 ضلع ایٹہ (اُتر پردیش) ۲۳ مئی ۱۹۱۴ء کو پیدا ہوئے۔
 بزرگوں کا وطن سرنگھ ہے۔ ایک شاخ سنگھ جاکہ آباد
 ہوئی تو دوسری کشتوار ضلع ڈوڈہ میں آپ کی تعلیم و تربیت
 کشتوار میں ہوئی۔ تعلیم ایف۔ اے۔ ادیب عالم ادا
 فاضل تک ہے۔ ادیب فاضل میں یونیورسٹی میں پہلی
 پوزیشن حاصل کی تقریباً بیس سال سے شعر کہہ رہے
 ہیں۔ بزم ادب کشتوار اور ضلع ڈوڈہ میں ادبی تحریک کے
 رُوحِ رواں ہیں۔ آپ نے بچوں کے لئے ”زمین کا ناچ“
 ”پرستان کی شہزادی“ اور ”کتاب کی کہانی“ کہیں تصنیف
 کی ہیں۔ آپ ایک مخلص اور خوددار انسان ہیں۔

عشرت کا شمیری

کسی کی شوخ نگاہی نے رقص فرمائے
 جبیں شوق کے سجدے بہر سو لہرائے
 وہ تیری یاد کی صہبا بدوش انگڑائی
 درتے چلے خلد کے کھلتے ہونے نظر آئے
 تری نگاہ کی نگہ پاشیاں بوقت خرام
 چمن میں ابل چمن نے بھی ہاتھ پھیلائے
 جبیں دُرخ پہ بکھرتے ہیں گیسوئے شب گوں
 چمک رہے تھے جواب تک وہ چاند گستاخ
 گئے تو اپنی نظر میں تھی آرزو کی بہشت
 جو تیری بزم سے آئے بہ چشم تر آئے
 سحر قریب ہے انجم سما کارواں بکھرا
 رہیں گے ظلمتِ شب کے یہ تابہ کے سائے
 یہی ہے حسنِ تلافی کا ناجرا عشرت
 ادائے خاص سے دھسکا کے شرماٹے

عشرت کا شمیری

یاد وہ لالہ و رخسار کروں یا نہ کروں

فکر رنگینی گلزار کروں یا نہ کروں

پھر قصود میں بہار آئی کیلے یاد کے پھول

ذکر محبوب طر حصار کروں یا نہ کروں

لب لعلیں پہ تہنم کے شفق زاروں سے

اپنے اشعار گہر بار کروں یا نہ کروں

جان لب وقت کے منصوبہ میردار سہی

بزم کو شعلہ پہ افکار کروں یا نہ کروں

نالہ یا بند ہے بیٹھے میں زباں پر پیرے

اُن کی بے داد کا اظہار کروں یا نہ کروں

پھکیر کہ چشم تسول ساز کی باتیں عشرت

میرے خانہ کو سرشار کروں یا نہ کروں

پورن کمار ہوش

آپ یکم جنوری ۱۹۳۳ء کو ستمہ ستمہ ریاست بہاولپور (مغربی پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لاہور، ٹائل پور اور ملتان میں حاصل کی تقسیم وطن کے بعد انٹر سائنس کا امتحان گورنمنٹ کالج الہ آباد سے پاس کرنے کے بعد ۱۹۵۲ء میں انجینئرنگ کی تربیت کے لئے پونا چلے گئے۔ ۱۹۵۶ء میں کورس پاس کرنے کے بعد آرڈیننس فیکلٹی کھریا (جبل پور) میں تیار ہو گیا۔ اکتوبر ۱۹۶۷ء میں ٹیٹا سے مستعفی ہو کر مجلس سائیکل فیکٹری سوئی پت میں اسسٹنٹ انجینئر کے عہدہ پر چلے گئے۔

شاعری کی ابتدا ان کے کرم فرام دوست محترم پروفیسر امانت ایم اے کی صحبت رنگین میں ہوئی اور انہیں کی رہنمائی میں شعریں موزوں کرنے لگے۔ ہند و پاک کے متعدد ادبی رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ ہر صنف شعری کوئی میں طبع آزمائی کرتے ہیں لیکن قطعہ اور غزل ان کے محبوب اصناف ہیں قطعات پر مشتمل شعری مجموعہ "پنکھڑیاں" کے نام سے زیر ترتیب ہے۔

پورن کمار ہونٹن

یوں ترے بعد کچھ محسبیں دلبر
ماہل لطف و الفتات ملے
راہ میں جیسے اک جنازے کو
اتفاقا کوئی برات ملے

عنبویں گیسوؤں کے سائے میں
یوں درخشاں ہے ترے رخ کا کنول
سریشی شام کے دھند لکوں پر
طنز فرما ہو جیسے تاج محل

ہم غریبوں کو کس تامل سے
نقد عیش و نشاط دیتی ہے
زندگی ہے کہ تنگدستی میں
اک کفایت شکار بوی ہے

تیری فطرت سے اے حیات عزیزہ
سادہ لوحی اگر نکل جائے
کچھ زیادہ نہیں تو محفوظ اسا
ہم غریبوں کا کام چل جائے

یوں تری یاد کی کلی چٹکی
دل کی اُجڑی ہوئی بہاروں میں
کوئی سہمی ہوئی جواں لڑکی
جیسے سنسان رنگداروں میں

پورن کمارھوش

بند کلیوں کے شوخ جھرمٹ میں لوشگفتہ کلاب ہے ایسے
اک پری رو شبِ وصال کے بعد اپنی سکھیوں کے درمیاں جیسے

جن کی خود داریوں سے شرمائے خالقِ دو جہاں کی رزاتی
وقت کی بات ہے وہ اہلِ جنوں تیرے منتِ پذیر ہیں ساقی

آپ بائیں عجیب کرتے ہیں خود نمائیِ شباب میں نہ رہے
یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے چاندنی ماہتاب میں نہ رہے

یہ حقیقت کسے نہیں معلوم کیا وجودِ بہار تھا پہلے
تازگی ہے تھارے جوہن کی گل پہ کب یہ نکھار تھا پہلے

تا بلبشِ آفتاب کم کم ہے ابرِ غمناک کی پناہوں میں
جیسے بجھ جائے کوئی مستِ شباب بوڑھے شوہر کی سرد باہوں میں

مکتبہ اردو ادب

کوشن مستقل معراج

آپ ۲۰ ستمبر ۱۹۱۸ء کو پیدا ہوئے۔ رشتہ خونی کا سلسلہ دور ان تعلیم
ہی شروع ہو گیا۔ ۱۹۵۵ء سے کچھ سال بعد تک جناب ابی الحسنی گنوری سے اصلاح
لیتے رہے۔ اور بعد میں جناب بشیر پرشاد منظور لکھنوی کے دائرہ تلامذہ میں شامل
ہو گئے اور آج تک ہیں۔

آپ کے آباؤ اجداد ۱۹۰۸ء میں میرٹھ سے بسلسلہ روزگار انبالہ
منتقل ہو گئے اور تب سے آپ انبالہ ہی میں مقیم ہیں۔

کیا جہاب اُس کا زمانہ میں وہ حامل ایک ہے
 گرد پودانے ہیں لاکھوں شمع محفل ایک ہے
 جل رہا ہے بل ہزاروں حسرتوں کی بھیر میں
 سوزِ امانت سے فروزاں شمع محفل ایک ہے
 خار ہے سب کی نگاہوں میں ہمارا آشیاں
 برق و باراں ہوں کہ آتش سب کا حامل ایک ہے
 یوں دیا کرتی ہے دنیا حق پہ باطل کو فروغ
 جیسے دنیا کی نظر میں حق و باطل ایک ہے
 سب پہنچ جائیں گے اُن تک اپنی اپنی چال سے
 مختلف رستے ہیں لیکن سب کی منزل ایک ہے
 منحصر ہے فرق نیک و بد اُمید زلیبت پر
 "ڈوبنے والے کو اب دریا و ساحل ایک ہے"
 دیکھئے معراج دونوں کی دورنگی کا سماں
 یوں تو کہنے کو زباں بھی ایک ہے دل ایک ہے

کمرشن مثل معراج

وہ دھمکتے ہیں ستم مجھ پر ہی میرے مہرباں ہو کر
 زباں رکھتے ہوئے بھی رہ رہا ہوں بے زباں ہو کر
 کبھی تسکینِ دل بن کر کبھی آزارِ حباں ہو کر
 بہر صورت مٹاتے ہیں مجھے وہ مہرباں ہو کر
 بنا یا ہے مجھے شعلہ محبت کی حرارت نے
 جلائے گا مجھے کیا سوزِ غم برقی تنہاں ہو کر
 نہ دل میں وہ اُمنگیں ہیں نہ سینے میں حرارت ہے
 وہ جینا کوئی جینا ہے جسے جو نیم حباں ہو کر
 اکھرتی ہیں بہر صورت جہاں کی تلخیاں مجھ پر
 کبھی دل کی خلش بن کر کبھی آرام حباں ہو کر
 ترے دل میں محبت کی حرارت ہی نہیں باقی
 چلے آتے یقیناً دل میں وہ تسکین حباں ہو کر
 کہیں معراج وہ بھی شاملِ رُوداد ہو جاؤں میں
 ہمارا قصہ غم پھیل جائے داستاں ہو کر

کنول میرٹھی

جناب سورا ج دت کنول میرٹھی ۱۹ ستمبر ۱۹۳۳ء کو بنغام صریح شکر (بنہاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ پیشرو شاعری کا آغاز نویں جماعت میں ہوا۔ میرٹھی میں ایف۔ اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اگست ۱۹۳۵ء میں پچھانکوٹ چلے آئے اور ایک پرائیویٹ فرم گجرا ل سنز میں ملازمت اختیار کر لی۔ آج کل اسی ادارہ میں اکوئنٹ کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں جس سے دل چاہنے کے باعث اکثر خاموش رہتے ہیں۔ کم گوئی کے سواۃً ساتھ صاف گوئی بھی ان کی عادت میں شامل ہے۔ زندگی میں مختلف حادثات سے ہمکنار رہے ہیں جس کا عکس ان کے اشعار میں نمایاں ہے۔ ان کا کیفیت آفریں ترنم اور پُر سوز کلام محفل شہر و سخن میں ایک عجیب سماں باندھ دیتا ہے۔ طبیعت کا رجحان غزل کی طرف زیادہ ہے۔ کبھی کبھی نظم بھی کہہ لیتے ہیں جس میں دل کی آواز شامل ہو، چاہے وہ غزل ہو جاوے نظم بہتر تاثیر تخلیق ہوتی ہے۔ یہی بات ان کے کلام میں ہے۔

سکتیہ ادوارب

کنول میرٹھی

اس طور بھی ہوتی ہے ادا رسم و فسادیکھ
دیوانے سرور دا بھی ہیں نعمہ سرا دیکھ
کس رنگ میں اُلو اور زمانہ ہیں ذرا دیکھ
کس طور پہ بگڑی ہوئی دنیا کی ہوا دیکھ
زنداں میں تو ہونے کا نہیں بوجھ جزا کم
دیوانہ گیسو کے لئے اور سرا دیکھ
گستاخ نگاہی کا بھی کو نہ دے الزام
تو اپنی بھی دُزدیدہ نگاہوں کی ادا دیکھ
پھر لانے لگی رنگ تری شوخی رفتار
بھر ہونے لگا دہر میں اک حشر بیچار دیکھ
قیمت ہے زمانے میں یہی جنس وفا کی
کچھ اور ملے گا نہ کنول غم کے سوا دیکھ

اس زمانے کے غم بھلانے کو
 یاد کرنا ہوں اُس زمانے کو
 خون روئیں گی پھر مری آنکھیں
 پھر ہوں بے تاب مسکرانے کو
 مجھے کو دونا رہا زمانے کا
 میرا دونا رہا زمانے کو
 غم زمانے کے لئے لیکن
 میں نہ کچھ دے سکا زمانے کو
 ہر زبان تک یہ اُٹ کے جا پہنچا
 لگ سکے پر مرے فسانے کو

پنڈت پتالال رند

آپ پنڈت بھگت رام صاحب ایڈووکیٹ امرتسری کے صاحبزادے ہیں۔
 ۱۹۱۳ء میں بنغام لاہور پیدا ہوئے اور تعلیم کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے
 ۱۹۳۸ء میں ایڈووکیٹ ہو گئے۔ ابتدا ہی میں مشاعروں کا شوق رکھتے تھے۔
 طبع حساس تھی اور اثر پذیر۔ عالم شباب میں شعر کہنا شروع کیا۔ ماحول کافی حوصلہ افزا
 نصیب ہوا اس لئے ان کی طبیعت کے جوہر نکھر نے لگے۔ اور بہت کم عرصہ میں
 موزوں اور پرمعنی اشعار کہنے لگے۔

آپ امرتسری کی اُس "بزم سروش" کے صدر ہیں جس کی ابتدا جناب شمس مینائی
 جناب حکیم نغرائی۔ جناب ناظم۔ جناب محسن۔ جناب جہانگیر پروفیسر نوشہ جیسی عظیم
 ہستیوں کی مغذہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ آپ تحت اللفظ شعر پڑھتے ہیں۔ اور خوب
 پڑھتے ہیں۔ ہر مشاعرہ میں آپ کو کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

عالم جوانی میں حادثہ عشق سے بھی دوچار ہوئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کی
 شاعری میں دار و دانتِ قلوب شامل ہیں۔ وہ سوز اور درد شامل ہے جس سے شعر میں
 تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ ایک خوش گو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوش خلق اور
 پُر خلوص انسان بھی ہیں۔ امرتسری میں ادبی سرگرمیوں کے رُوح رواں ہیں۔
 (بادا ہری سنگھ طالب ایڈووکیٹ)

پینالال رند

محبت درد بھی آرام بھی ہے محبت کی سحر میں شام بھی ہے
 محبت ہے نویدِ زندگانی محبت موت کا پیغام بھی ہے
 محبت کامرانی کا ہے ارماں محبت حسرتِ ناکام بھی ہے
 محبت ہے حدیثِ بچنے کاری محبت اک خبیالِ خام بھی ہے
 محبت ہے بنائے فخر لیکن محبت کو بہ کو بدنام بھی ہے
 محبت درد بے درماں ہے لیکن محبت چارہ آلام بھی ہے
 محبت نورِ جنت، نایابِ دوزخ محبت دانہ بھی ہے دام بھی ہے
 محبت راز ہے دیہ و حرم کا محبت کُفر بھی اسلام بھی ہے
 محبت ہے مزارِ شہ بھی اے رند
 محبت میتِ گمنام بھی ہے

پینا لال رند

نظر نوازہ نظاروں کی دل کشی تم ہو	خزاں نہ دیدہ بہاروں کی نازگی تم ہو
قمر میں نور ستاروں میں روشنی تم سے	قمر میں نور ستاروں میں روشنی تم ہو
تمہارے دم سے فصائیں تیار ہوئیں	ہوا میں کیفیت بہاروں میں نازگی تم ہو
ہزارہ بار ڈھیلے عمرو ماہ سا غر میں	اتنے سکے جو نہ شبیشہ میں وہ بوسہ تم ہو
حجاب سے بھی نمایاں ہے ایک شان و جود	فتا جس پہ ہو مشغی وہ سادگی تم ہو
جمالِ لالہ دگل ہو ادا ئے سرورِ سمن	بہارِ حسن ہو جنت کی اک کلی تم ہو

یقین اس سہا تمہیں آئے یا نہ آئے مگر
 مجھ بہارِ می قسم میری زندگی تم ہو

نمبر پیش چند رشوق

۱۹۳۸ء میں ضلع ساگرہ (پنجاب) کے مشہور گاؤں جوالا لکھی میں آپ کا جنم ہوا۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ پھر کنگالہ صاحب بسلسلہ ملازمت شملہ میں قیام پذیر تھے۔ لہذا ۱۹۵۱ء میں شملہ چلے آئے اور تاحال شملہ میں ہی مقیم ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں مقامی کالج سے بی۔ اے پاس کرنے کے بعد اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب شملہ کے دفتر میں بطور آڈیٹر ملازمت اختیار کی اور ساتھ ہی ایم۔ اے میں داخلہ لے لیا۔ مگر چند دھڑات کی بنا پر آپ کو تعلیم اُردھوری چھوڑنی پڑی۔ آپ کو شعر و شاعری کا ذوق کالج کے زمانہ ہی سے ہے۔ بعد میں یہ ذوق جناب راجندر ناتھ رہبر کی صحبت میں پروان چڑھا۔

آپ کی طبیعت میں سادگی اور خود داری ہے۔ حلقہ اصحاب وسیع ہے۔ مگر بے تنگف بہت کم لوگوں سے ہیں۔

سُرشقِ چندر شوق

اُن آنکھوں آنکھوں میں ملاقاتِ خدا خیر کرے
 یہ محبت کی شروعاتِ خدا خیر کرے
 اُن کا پہلے تو کرم بھی تھا ستم بھی ہم پر
 اب نہ یہ بات نہ وہ بات خدا خیر کرے
 وعدہ کہہ کے بھی نہ آتے تھے وہ کل تک اور اب
 خود ہیں مُشتاقِ ملاقاتِ خدا خیر کرے
 شیخ! تو! محفلِ زنداں میں؟ بڑی حیرت ہے
 مے کشی! اور تری ذات؟ خدا خیر کرے
 اس طرف ہم کہ نہ پینے کی قسم کھائی ہے
 اک طرف موسمِ برساتِ خدا خیر کرے
 شوقِ مریبائیں گے گھبرا کے یونہی اک دن ہم
 ایسے پگڑے ہیں کچھ حالاتِ خدا خیر کرے

سُورِ شِجْدِ رِشْوَقِ

ہم اک جھکے ہوئے رہرو کو اپنا رہنا سمجھے
 ہونو جنت حاصل عطا اسی کو ناخدا سمجھے

بہت سمجھے تجھے ہم نے محبت ابھری کی سمجھے
 نہ تیری ابتدا سمجھے نہ تیری انتہا سمجھے

مرے ناصح ابعث ہے بحث موضوع محبت پر
 یہ اہل دل کی باتیں ہیں تو ان باتوں کو کیا سمجھے

اُسے سمجھا تو سکتے ہیں ہم اپنا مدعا لیکن
 مزا تو جب ہے وہ خود ہی ہمارا مدعا سمجھے

یہاں تک بڑھ گئی ہے بے خودی جوش محبت میں
 ہم اپنے دل کی ہر آواز کو تیری صدا سمجھے

یہ بھولی ہوئی توں والے بڑے سفاک ہوئے ہیں
 بس ان کو تو خدا سمجھے بس ان سے تو خدا سمجھے

اُدھر اے شوق! خاموشی رضا کا پیش خمیہ تھی
 اُدھر اپنی غلط فہمی سے ہم ان کو عطا سمجھے

قمر ہوشیار پوری

ترلوکی ناتھ قمر ہوشیار پوری تقریباً ۲۷ سال پہلے ہوشیار پور کے ایک متوسط
 لیکن معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ اس خوبصورت اور خوب سیرت شاعر نے بچپن
 اور آغا جہانی بڑی شان سے گزارا۔ والد محترم کے بیمار پڑ جانے پر گردشِ روزگار
 نے تمام کس بل نکال دیئے اور سلسلہ تعلیم ایف۔ اے تک ہی ختم ہو گیا۔
 غمِ دُراں کے ساتھ ساتھ غمِ جاناں نے بھی حیات کی راہیں الجھا دیں بہت باغ و بہار
 طبیعت کے مالک ہیں۔ دوستوں میں بہت مقبول ہیں۔ دل کی دھڑکیاں
 کے نام منسوب کرتے ہیں۔ شاید اصل نام لکھتے ہوئے زمانے کی رسوائی سے
 ڈرتے ہیں۔

آج کل سٹیٹ بینک آف انڈیا۔ جالندھر میں ملازمت کرتے ہیں۔

فقر ہو شیار پوری

جن پہ تیرا کم نہیں ہوتا اُن پہ کوئی سہہ نہیں ہوتا
 اُن کا چینا عظیم ہوتا ہے جن کو مرزا کا غم نہیں ہوتا
 توجہ تو یہ دو اول کا حاصل "درد بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا"
 اُن کا جانا تو اک قیامت ہے اُن کا آنا بھی کم نہیں ہوتا
 گرد ہوتی ہیں منزلیں اُن کو جن کو مٹنے کا غم نہیں ہوتا
 تیرا بے الفت کی بات کھتے ہو یاد آنا بھی کم نہیں ہوتا
 بات چلتی ہے جب دُعا کی فکر!
 اُن کی باتوں میں دم نہیں ہوتا

قمر حیدر شاہ پوری

دل کے توہمات پہ قربان جانیے
 اُن کی ہر ایک بات کا انداز دیکھ کر
 مانا کہ اُن کی یاد ہے حاصلِ حیات
 اپنی ہر ایک جریت پہ خوش دیکھ کر نہیں
 نفی سے دستانات سہی دل کا یہ مخلص
 جس سے کہ نہیں ملوئے نہ دھن دل بھوئے
 منہ پر جن کی ذات پہ انجم کی تلخیاں
 اُن دوستوں کی ذات پہ قربان جانیے
 اُس پریشم القضا پہ قربان جانیے
 اُسے گی بس کے بعد قمر حیدر پر سکوں
 اُس غم کی سہلی رات پہ قربان جانیے

سعید احمد نیر گنگوہی

دسمبر ۳۸ء کو پیدائش گنگوہ کے قریش خاندان میں ہوئی۔ پورا نام سعید احمد نیر قریشی ہے۔

تعلیم ادھوری رہنے کے باعث معاش کی گرفتاریوں میں الجھنا پڑا۔ اور ۵۸ء میں کپڑے کی دکان عہدہ دہیا نے پرچلائی۔ مگر شاعرانہ فطرت کو سکون نہ ملا۔ اپنے ادبی مشغلہ کو ہنزار رکھنے کے لئے جناب آغا انصاری کے توسل اور شرکت میں ”جہاں نما“ ادبی ماہنامہ کا ۵۸ء دسمبر میں اجرا کیا۔ ایک سال تک مسلسل پرچہ نکلنے کے بعد چند ناگزیر مجبوریوں کو نظر رکھتے ہوئے بند کرنا پڑا جس کا انہیں از حد قلق ہے۔

دسمبر ۶۱ء کو کپڑے کی دکان بھی اس لئے چھوڑ دی کہ اب کوئی دوسرا کام کیا جائے۔ لہذا ازھت کی دکان کا مروت کیا۔ اور پھر ایک ازھت بن بیٹھے۔

مکتبہ اردو ادب

سید احمد فیر گنگوہی

وہاں دار و لسن کے مرحلے ہیں جہاں اہل و فائن کر چھلے ہیں
 مذہب کا تو عمل ہے ادا یقین میں جڑائیں ہیں عرصہ ہیں
 ستم و سوا سب اہل طوق و سلاسل رو افسان میں کیا کیا مر رہے ہیں
 گر سب چاکر دامن پارہ جہاں میسرے جنوں کے دلا رہے ہیں
 ادھر عزیز اشارے کر رہی ہے ادھر پاؤں ہیں لاکھوں آ رہے ہیں
 چلی ہیں آؤں رعیاں رنج و الم سگی محبت کے دیئے پھر بھی جملے ہیں

مروت کا ہے ان کو پاس کچھ تو اعلیٰ پھر بھی رفیقوں سے جملے ہیں
 مری آہوں، مرے نالوں سے تیر
 زمیں تو کیا؟ فلک بد لڑتے ہیں

سعید احمد نیر گنگوہی

سراپا درد مبتی جا رہی ہے زندگی میری
 بدلتی جا رہی ہے رنج غم سی ہر خوشی میری
 کسی صورت بھی اب دل کو سکون حاصل نہیں ہوتا
 کسی صورت بھی کم ہوتی نہیں ہے کلی میری
 بکھرتے جا رہے ہیں دن بدن تنکے نشیمن کے
 اڑاتے پھر رہے ہیں خاک کے فتنے سنسی میری
 قفس میں تھی نشنا سائی اگر صبا سے اے دل
 جہان نہ ہو گئی ہے بجلیوں سے دھنسی میری
 اُلیا تک ہل نہیں سکتی چین میں جو گرگ ہیں پہ
 یہاں تک بڑھ چکی ہے یا الٰہی بے کسی میری
 نہ جانے کون سی شے تھی تیرے مانع میں اے ساقی
 قزوں نہ ہو گئی ہے اور پی کر تشنگی میری
 نہ ہوتی اس میں مذکورہ گل و ٹبل کی گنجائش
 برائے زلیلت ہوتی کاش نیر شاعری میری

مکتبہ اردو ادب

بالکشن بیتاب ایم۔ اے

آپ کی پیدائش ۴ مئی ۱۹۳۵ء کو بمقام جیند ضلع سنگڑ ہوتی۔ پنجاب
 کیمپ کالج دہلی سے ۱۹۵۷ء میں ایم۔ اے (انگلش) پاس کی۔ شاعر و شاعری کا
 آغاز فنیٹر میں ہوا۔ لیکن اردو میں شاعری باقاعدہ طور پر ۱۹۵۲ء سے شروع کی
 ۱۹۵۴ء تک محدود دائرہ فکر میں طبع آزمائی کی لیکن ۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۷ء تک
 جناب چندر پرکاش، شاد کے قریب میں آنے سے ان کی شاعری نے ایک نیا موڑ
 اختیار کیا۔ غزل کے علاوہ نظم بھی کہتے ہیں۔ پانچ چھ سال دلی میں قیام پذیر ہونے
 کی وجہ سے مختلف ادبی انجمنوں میں شرکت کرتے رہے۔
 - اس وقت حکمہ مال (پنجاب) میں تحصیلدار درجہ اول کی
 ترقیب حاصل کر رہے ہیں۔

بالکشن بیتاب

نقشِ بمرِ رگِ گذر رہے ہیں حالات سے باخبر رہنے ہیں
 آلامِ سکا رنگ چڑھ رہا ہے یادوں کے فسون اُتر رہے ہیں
 ہرچند کہ مخفی غبارِ خاموش لیکن تیرے ہم سفر رہے ہیں
 نصیرِ طلب ہے اب متنا اب تک تیری بات پر رہے ہیں
 سوچیں گے یہ مہ جبیں کسی دن ہم بھی بڑے فیتنہ گر رہے ہیں
 آئینہ نہ ہو چلے پریشان اندازِ پکڑ سونور رہے ہیں
 لہرائی ہے زلفِ بھیگی بھیگی
 انجمِ سحرِ رو بکھر رہے ہیں

مکتبہ اردو ادب

بالکشن بیتاب ایم۔ اے

سوزِ غمِ دلِ نفسِ نفس ہے
 کیوں لڑتے پڑا ہجومِ آلام
 اب تو تیرا راند بن گئے ہضم
 احساس میں سوز ہے نہ شدت
 محسوس کیا ہے اب دمِ مرگ
 احساس پہ کس کو دسترس ہے
 جبینا تو ابھی کٹی برس ہے
 اب بھی تجھے کوئی پیشِ فہم ہے
 اشتہار میں رنگ ہے نہ رس ہے
 سنتے تھے کہ زندگیِ نفس ہے

تیری یہ ہری بھری جوانی
 اُرت کا بھرا ہوا کلس ہے

سائل سرحدی

آپ ایک معزز برہمن خاندان کے نور چشم ہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خاں (صوبہ سرحد) میں پیدا ہوئے۔ عالم شباب میں عشق کے حادثے سے دوچار ہوئے اور رات کے پرستار بن بیٹھے جس کا ذکر اکثر اپنے اشعار میں کرتے ہیں۔ لیکن راحت زندگی میں کسے نصیب ہوئی؟ کلام نثر میں پڑھتے ہیں۔ ایک پُر خلوص اودھ صاف دل انسان ہیں۔ آج کل اسٹیٹ بینک آف انڈیا کی شملہ شاخ میں خزانچی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ادیب فاضل ہیں شعر و شاعری سے لگاؤ فطری ہے۔ ان کے اشعار میں ان کے دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دیتی ہیں۔

مکتبہ اودھ

سائل سرحدی

اثر انداز ہیں کتنی مری روتی ہوئی آنکھیں
 رولادینی ہیں اُس ظالم کو بھی روتی ہوئی آنکھیں
 بڑی مجبوریاں پابندیاں اُن سے نمایاں تھیں
 ابھی تک یاد ہیں اس شوخ کی روتی ہوئی آنکھیں
 یہ دونوں حالتوں میں میر دل کو چیر دیتی ہیں
 تیری ہنستی ہوئی آنکھیں تیری روتی ہوئی آنکھیں
 بڑی حسرت سے دیکھا تھا کسی ٹھہ کو سوداگر
 ابھی تک نقش ہیں دل پر یہی ہوتی ہوئی آنکھیں
 خدا کے واسطے اتنا نہ دویا کہ مری خاطر
 مجھے دیوانہ کر دیں گی تیری روتی ہوئی آنکھیں
 ہمارے پاس جو کچھ مٹا وہ نذر عشق کہ ٹوالا
 اگر کچھ پاس ہے تو بس ہی روتی ہوئی آنکھیں
 کسی کے عشق میں یہ حال اپنا ہو گیا سائل
 گریباں چاک لب پر خاموشی روتی ہوئی آنکھیں

سائل سرحدی

محفل میں ہم نے حالِ غم دل سنا دیا
 خود بھی بہائے اشک انہیں بھی رُلا دیا
 اب میرے پاس غم کے سوا کوئی شے نہیں
 بے دے کے ایک دل تھا اُسے بھی گنا دیا
 قوہ کو غرقِ حُسام کئے ہی بنی ندیم
 سا غریب اُس نے خود مرے منہ سے لگا دیا
 کل تک مرا مقام تھناری بکھا تھی
 آج ان بلند یوں سے مجھے کیوں گرا دیا
 روشن تھی تیری یاد سے اے دستِ شمعِ دل
 طوفانِ یاس نے یہ دیا بھی بجھا دیا
 سنتے ہیں اگلے وقت میں مٹاؤں غامری
 لیلے کے عشق نے اُسے مجنوں بنا دیا
 سائل نہ مجھ سے پوچھ کہ کیا چیز عشق ہے
 یہ جس پہ ہر بال ہوتا اُس کو مٹا دیا

بال کرشن ساگر

آپ ۲۰ مئی ۱۹۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ ریاست جموں و کشمیر کے مشہور دلیفارمر
دادا رنیت مرحوم کے خاندان سے ہیں۔ ۱۹۵۲ء سے مرکزی حکومت کے محکمہ ڈاک و تار
جموں سے منسلک ہیں۔

یوں نروزاں ہیں مرے دل میں اُمیدوں کے چراغ
آسمان پر جس طرح رقصاں ستاروں کے ایاغ
راہ ہستی میں کچھ ایسا کھو گیا، تُوں اے ندیم
ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملتا ہے منزل کا سراغ
مجھ کو یہ بھی غم نہیں کہ راہ ہر سب کھو گئے
لہری کو اب بھی جھلکتے ہیں مرے سینے کے داغ

بال کرشن ساگر

جو شمعِ حسن بجھ جاتی تو پروانے کدھر جاتے
 کسی کی ذات سے مسو بہ افسانے کدھر جاتے
 ہم اپنے ہونٹ سی لیتے ہم اپنے اشک پی لیتے
 مگر تیری نظریں تھے جو افسانے کدھر جاتے
 چلو اچھا ہوا ہیرا ہ میں تنہا میکدہ ورنہ
 بھٹک کر دیر و کعبہ میں خدا جانے کدھر جاتے
 جفا کے تیج و خم میں ہم الجھ کر رہ گئے ساگر
 اگر وہ بادِ فاہ ہونے خدا جانے کدھر جاتے

نوپار صابو

آپ کی تاریخ ولادت نومبر ۱۹۰۷ء ہے۔ لڑکپن ضلع حصار میں ابتدائی تعلیم حاصل کر۔ نہ کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے پٹیالہ چلے آئے۔ یہاں ہندو کالج میں چند ماہ ہی تعلیم حاصل کی تھی کہ آشوب دواں آشوبِ حشیم کی صورت میں نازل ہوا۔ مسئلہ تعلیم وہیں منقطع ہو گیا۔ شعر و شاعری کا شوق بچپن سے ہے۔ نسکینِ ذوق کے لئے شعر کہتے ہیں۔ نہایت ملنسار۔ پُر خلوص اور انصاف پسند واقع ہوئے ہیں۔

ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ روزانہ ملاپ پٹیالہ کے مدیر بھی رہے۔ ڈراموں کا ایک مجموعہ انگریزی حکومت کے وقت اس لئے ضبط ہو گیا کہ انقلابی فیشن لئے ہوئے تھا۔ آپ نے کبھی استناد ہوئے کا دعویٰ نہیں کیا۔ دوستانہ طریق سے مشورہ معین دیتے ہیں۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ متعدد شعرا آپ کے رشتہ تلمذ میں ہیں جن میں کمل جیت عاجز اور مر حیدر قمر کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

ذو جہار صابو

ترکِ اُلفت پہ بھی بل کھاتی رہی دل میں فغاں
 شمعِ کُشتہ سے بھی اُٹھتا رہا پچھتہ دیر دھواں
 بچتے بچتے ہی بچھا سونہ تنہا کا چسداغ
 مٹتے مٹتے ہی مٹا دل سے محبت کا نشان
 سایہ نکل بھی نہیں سایہ گیسو بھی نہیں
 دوپہر گردشِ ایام کی سائیں تو کہاں ؟
 پریش غم پہ یہ سوچا تھا کہ ہنس کر ٹالیں
 اشک بن بن کے ٹپکنے لگی آنکھوں سے فغاں
 محفلِ حسن میں بھرائی عبتِ عشق کی آنکھ
 ان دیاروں میں سمجھتے نہیں اشکوں کی زبان
 تلخی غم مرے ہونٹوں پہ سمٹ آئی ہے
 جس پہ یاروں کو گدڑتا ہے تبسم سا گمان
 شورِ تبدیلیِ حالات کا سنتے تھے مگر
 کل جو تھے سوختہ دل آج بھی ہیں شعلہ بھال
 غمِ نصیبِ بانِ نفیس چپ ہیں کہ ان کی فریاد
 طبعِ اربابِ گلستاں پہ گزرتی ہے گراں
 حسنِ پوکار کی ہر بات پہ رکھتا ہے یقیں
 ہم نے صابر سا بھی دیکھا نہ کوئی ہسارہ گماں
 C-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ذبحہار صابر

تری نگاہ کرم کچھ فسوں کرے تو کرے
 یہی ملاح دل بے سکوں کرے تو کرے
 عروڑوں سے محبت میں اک قدم نہ اٹھا
 یہ حوصالیہ کوئی صاحب جنوں کرے تو کرے
 طریق شیخ سے ممکن نہیں فروغ حیات
 یہ اہتمام مئے لالہ گوں کرے تو کرے
 نگاہ ساتی صہبا بدوش جام بدست
 غم حیات کا بہیم نگوں کرے تو کرے
 فریب ترک متنا ہے زہر قند آلود
 بشر کو اور بھی زار و زبول کرے تو کرے
 چراغ دبیر و حرم سے تو روشنی نہ ہوتی
 یہ مجزہ میرا سوزِ دُروں کرے تو کرے
 بیانِ حق ہے سخن گستری نہیں صابر
 کوئی نگہ مزی بانوں کا یوں کرے تو کرے

خوجہار صاحب

یہ طوفان قیامت اُن کا ستم اب اور نہیں سہتے بنتا
 اگر پہرے پڑھتے کچھ اُن سے کہتے تو نہیں کہتے بنتا
 ہونٹوں پہ تسمین کہ بھی اکثر یہ مناسیاں ہوتا ہے
 جب نہ نہاں اشکوں میں ڈھل ڈھل کے نہیں بہتے بنتا
 مفسر اب نہ کاہِ حسن جواںِ جب اذنِ نازم دیتا ہے
 پھر سازِ محبت سے واعظِ خاموش نہیں رہتے بنتا
 اُس وقت کا عالم کیا کہتے جب ضبطِ کلمے فریاد نہ کہ
 اور دل کی ٹڑپ یہ کہتی ہو اب اور نہیں سہتے بنتا
 تسلیم کہ سوزِ داغِ جگرِ تشکینِ جگر بھی ہوتا ہے
 یہ شعلہ تو آخر شعلہ اسے شبنم تو نہیں کہتے بنتا
 حق یہ ہے کہ سیرِ دنیا سے انسان کا دل بھرتا ہی نہیں
 کہنے کو سبھی اس دوزخ میں کہتے ہیں نہیں کہتے بنتا
 ان قاتلہ سالاروں سے خدا محفوظ رکھے صابر کہ نہیں
 رہن بچی نہیں کہتے بنتا رہبر بھی نہیں کہتے بنتا

وشتوانامہ درد

”۔۔۔ حالاتِ زندگی تو زندگی دلوں کے
 ہوتے ہیں۔ میں تو زندگی کے راستے
 میں کھڑا ایک تنہا شائی ہوں۔ اور خود
 اپنے آپ سے غائبی کہ رہا ہوں۔
 ۱۲ اپریل ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوا ہوں۔“

زندگی کا ہر غلغلہ بھی چھپاتے آتے ہیں
 ہم تجھے ہر موڑ پر اپنا بتاتے آتے ہیں
 دوستوں کا دل نہ ٹوٹے مفاہی پیشِ نظر
 ہم فریبِ دوستی دانستہ کھاتے آتے ہیں
 ہم کسی کے رازِ داں ہونے کا دم کیسے بھریں
 ہم تو اپنے راز اوروں کو بتاتے آتے ہیں
 ہے ازل سے توابدیر منزلِ ادراکِ نو !
 ہم جنوں کے سناں پر یہ گیت گاتے آتے ہیں
 دشمنوں سے بچ کے نکلیں ہم تو نکلیں کس لئے
 دوستوں سے دشمنی کے راز پاتے آتے ہیں
 کیا کریں ہم تیری خاطر اسے دلِ ایذا پسند
 حادثے ہر موڑ پر دامن بچھلاتے آتے ہیں
 دلوں ہم سے دل لگی کرتا ہے دنیا کا مزاج
 ہم یقیناً جیٹم پر نہ مسکراتے آتے ہیں

مکتبہ ارفع ادب

ماز ہم نے جنوں میں یہ پایا نہیں

دھوپ ہی دھوپ ہے پیار سا یا نہیں
ہم سلامت روی اُس کی دیکھا کئے

اک فریبِ طلبِ جس نے کھایا نہیں
اے دلِ مضطرب ہم نے تیرے لئے

فکرِ فردا سے دامن بچایا نہیں
ہم نے جانِ تیرے شہر میں

خود کو کھو یا تو ہے خود کو پایا نہیں
کیا کہیں ہم کساں ہم غم کو گئے

موڑ رستے میں جب کوئی آیا نہیں
نور ہی نور ہے صحن میں ہمدرد

اور چھت پر ابھی حیا نہ آیا نہیں

دوستو دیکھو ہمیں ہم چاندنی میں آئے ہیں
 تاحداً امکان ہمارے فکر ہے۔ کیسے سائے ہیں
 خاموشی کے گیت دل سے جب کسی نے گائے ہیں
 ہم بھری محفل میں تنہا جھوم کر لہرائے ہیں
 کوئی آہٹ، کوئی قدموں کا نشان ملتا نہیں
 ہم شب بے شب میں خود اپنے زور تک ہو آئے ہیں
 اے فریب آگئی ہم اُن کو بھولیں کس طرح
 دھند بن کر جو ہمارے راسخوں پہ چھائے ہیں
 تم نے تو بھیجا تھا خالی ہاتھ دینا میں نہیں
 ہم تمہارے واسطے سوغاتِ غم کی لائے ہیں
 اجنبی سے لگ رہے ہیں جو حقے صوت آشنا
 آ کے دام آگئی میں ہم بہت بچھپتائے ہیں
 اے سکوتِ بزمِ شاد بہر تجھے اس کی خبر
 راندہ ہائے درد اہل دل نے کیونکر پائے ہیں

عشرت قادری

جناب پیر زادہ سید صغیر احمد عشرت قادری بمقام
 قصبہ سہیور (ضلع بھوپال) ۲۶ فروری ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے
 ابتدا میں نجی ملازمتیں اختیار کیں جو غیر غوثنا مادہ فطرت ہونے
 کے باعث مستقل نہ رہ سکیں۔ گزشتہ تین سال سے ایک پرائیویٹ
 ادارے میں اسٹاؤنڈنٹ کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔
 ادبی زندگی کی ابتدا افسانہ نگاری سے ہوئی لیکن ۱۹۲۵ء
 میں افسانہ نگاری ختم ہو گئی اور شعاعی کا آغاز ہوا۔ ۱۹۲۶ء
 میں بھوپال میں ”مرکز ادب“ کے نام سے ایک ادبی ادارے
 کی داغ بیل ڈالی۔ یہ سلسلہ ابھی تک قائم ہے۔ اس ادارے
 کے تحت مختلف شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ مطالعہ اور
 اردو کتابوں کی انشاعات ان کے محبوب تہیں مشاغل ہیں۔

عشرت قادری

پہلو میں اپنے اک دل درد آشنا لئے
 ہم شہر شہر پھرتے ہیں جنس و فسا لئے
 انکڑائی لکے جاگ اٹھیں دل کی دھڑکنیں
 نہیں اسے راند تیرے ناز اٹھا لئے
 تارکیاں سمٹنے لگیں، شمع بجڑ گئی
 پلکوں پہ اپنی ہم نے سنارے سجائے
 ہر ایک غم سے ہر سر پہ کار ہے حیات
 اک آرزوئے صبح طرب آٹھ لئے
 دل اپنا مثل برگ خزاں ہی رہا اُداس
 صد موسم بہار تھی، بادِ صبا لئے
 اس دل کو تجھ سے اتنا تعلق ہے آج بھی
 جب تیری یاد آگئی، آنسو بہا لئے
 عشرت! پھر آج ٹوٹ گیا، کوئی آبلہ
 پھرتے ہیں انکھوں میں، نگہ لئے

ملکتیہ اردو ادب

عشرت قادری

یوں زندگی میں لمحے مسرت کے آئے ہیں
 دیکھی ہے جب خوشی کوئی آسُو بہا ئے ہیں

ہر چند اسیرِ زلف ہیں لیکن ہمارے نام
 بادِ صبا کے ماتحتوں بھی پیغام آئے ہیں

کس کو دکھائیں زخم کوئی چارہ گر تو ہو
 اپنا کس کہیں یہاں اپنے پرانے عابیں

بادِ صبا سنا یہ اُسے مژدہ بہار
 آدیکھ! دل کے داغوں نے گلشن کھلائے ہیں

تُم! فتنہ کار و نقشِ گر حاضرات ہو
 فکر و عمل سے ہم نے زمانے بنائے ہیں

بادِ سحر! چمن سے گزر کر ادھر بھی آ
 زنداں نصیبِ راہ میں آنکھیں کھچائے ہیں

عشرت! ہمیں اس آبلہ یا آئینہ ناز ہے
 لاکھوں چراغِ راہ میں ہم نے جلائے ہیں

ریش کھوسلہ اُمید ایم۔ اے

آپ کی پیدائش ۸ جون ۱۹۲۲ء میں مقام گجرات ہوئی۔
 آپ کے والد کرکھی جناب سرداری لال شام پنجاب کے کھنڈ مشرق مشرق
 میں تھے۔ انہیں کی محبت میں شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا۔ شاعری
 سے شعر کہہ رہے ہیں۔ ڈی۔ اے۔ دی کالج جالندھر میں تعلیم
 حاصل کی۔ ایام کالج میں نمایاں شخصیت کے مالک تھے اور کافی
 مقبول تھے۔ طبیعت کا رجحان غزل کی طرف ہے لیکن قطعات کی
 طرف بھی توجہ دیتے ہیں۔ آپ کے قطعات کا مجموعہ ”زہراب“ کے نام
 سے مکتبہ اردو ادب کے زیر اہتمام شائع ہو رہا ہے۔ آپ کا کلام
 رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ کم گو ہونے کے ساتھ ساتھ
 پُر گو بھی ہیں۔ صاف گوئی آپ کی فطرت میں شامل ہے خوش خلق
 اور پُر خلوص انسان ہیں۔ آج کل گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول۔۔۔
 پیٹھاکوٹ کے ادارہ میں ہیں۔

مکتبہ اردو ادب

دیش کھوسلہ اُصید ایم۔ اے

مئے رنگیں نہیں جو ساغر میں
حسام زہراب ہی پلاساقی
تیری محفل پہ حرف آئے سکا
تشنہ لب میں اگر اٹھاساقی

میرے شعروں میں ترا ذکر جمیل
رنگ مقبولیت کا بھرتا ہے
یہ حقیقت ہے میرا فکر سخن
اک ترے ذکر سے بکھرتا ہے

میری پر بادلوں کا افسانہ
طبع نازک پہ بار گزرے سکا
مذکرہ آپ کی جفاؤں کا
آپ کو ناگوار گزرے سکا

ایک کافر ادا کو دیکھا ہے
چلتے پھرتے قضا کو دیکھا ہے
آفتِ حبانِ دل کہیں جس کو
ہم نے اُس مہلقا کو دیکھا ہے

رنگ کیوں اڑ رہا ہے پھرے سکا؟
کیا سبب ہے جو چاندِ مٹم ہے؟
میں تو وقفِ غمِ محبت ہوں
آپ کے دشمنوں کو کیا غم ہے؟

ریشیں کھوسلہ اُمید ایم - اے

ایکے عہدیت فردش پر ناتق
اہل دیں اُنکلیاں اُٹھاتے ہیں
جب کہ عہدیت خرد نے دالے
شان و شوکت سے دندالتے ہیں

جس سے گیسوئے دل آرا کی
باعثِ اضطراب ہوتی ہے
بندہ پر در سنوار بیٹے ان کو
میری دُنیا خراب ہوتی ہے

جن کا اپنا کوئی مقام نہیں
ہم سے وہ لوگ بھی جھگڑتے ہیں
بات کرنی جنہیں نہیں آتی
وہ ہمساری نہیاں پکڑتے ہیں

میری راہِ عملِ خدا ٹھہری
مجھ کو دُنیا سے واسطہ کیوں ہو
جس کا ایمان نکتہ چینی ہے
ایسی دُنیا سے رابطہ کیوں ہو

لالہ رومہ جبیں - پری چورہ
آپ کو بے شمار نام دیئے
پورا اُترا نہ ایک بھی لیکن
شاعروں نے ہزار نام دیئے

راج گمار راج

آپ کی پیدائش ۸ مارچ ۱۹۳۹ء کی ہے۔
 آپ شری امرت لال آل کے فرزند ہیں۔ زمانہ طالب علمی
 ہی سے شعر و شاعری کا شوق ہے۔ گورنمنٹ کاندھی
 میموریل کالج جموں سے مقررڈ ایئر تک تعلیم حاصل کرنے
 کے بعد کاروبار کی طرف رجوع کیا۔ اس وقت ریڈیو کوٹہ
 زیر ملاحظہ۔ آل اینڈ کوادر اے۔ لال اینڈ سنز کے مالک
 ہیں۔ رہنمائی خوش خلق اور خوش مذاقی انسان ہیں۔
 عجزاً قد انکسار ہی آپ کی فطرت میں شامل ہے۔

راج کمار راج

متاعِ درد کا ہم حق ادا کریں نہ کریں
 یہ سوچتے ہیں کہ شکرِ خدا کریں نہ کریں
 ترے حضور میں کچھ التجا کریں نہ کریں
 پر کشمکش ہے لبِ شوقِ داکریں نہ کریں
 ہم اُن کی چاہ میں ڈے دیں گجاں تک اپنی
 اُنہیں یہ حق ہے وہ ہم سے وفا کریں نہ کریں
 دعائے فیض تو مقبول ہو ہی جائے گی
 نگاہِ ناز سے ہم التجا کریں نہ کریں
 کمالِ ضبط سے جینا بھی ہے عینِ شہدائے
 نہیں کہو کہ وہ ذکرِ جفا کریں نہ کریں
 رستمِ شکار کو اس پرستم ہی کرنا ہے
 رستمِ شکار پہ ہم دلِ فدا کریں نہ کریں
 کبھی یقین کہ خدا وہم ہو نہیں سکتا
 کبھی یہ وہم یقینِ خدا کریں نہ کریں

راج کمار راج

دردِ بن کر دل کو تڑپانے لگے
 آج پھر وہ ہم کو یاد آنے لگے
 اُس دُعا دشمن نے کیا ٹھکرا دیا
 ہم جہاں کی ٹھوکریں کھانے لگے
 اُن کی دستِ اکھوڑ سے آنکھیں ٹٹکیں
 جام سے پھر جام ٹکرانے لگے
 چھیرے پھر نغمہ جامِ سبُو
 جب طبیعتِ غم سے گھبرانے لگے
 باعثِ آزارِ دل ہی سہی
 شکر ہے وہ کچھ تو فرمانے لگے
 راج کس کافر کا آیا ہے خیال
 بے پئے ہم آج لہرانے لگے

مہرچند کوثر

آپ کی عمر اس وقت چالیس برس کے لگ بھگ ہے۔
 آپ بمقام بڈلاؤہ (ضلع بٹنڈہ) پیدا ہوئے۔ شاعری کا آغاز
 ۱۹۵۳ء کے آخری اہم میں ہوا۔ احباب کی قدردانی سے
 آگے بڑھنے کا حوصلہ ہوا۔ ابتدا میں جناب تو بہار صاحب اور
 جناب کرپال سنگھ بیدار سے اپنے علم پر اصلاح لیتے رہے۔
 بعد میں یہ سلسلہ بھی ترک کر دیا۔ غزل ان کی محبوب صنف ہے
 اور اسی کی طرف ان کی طبیعت کا رجحان ہے۔ ترسودہ مضامین سے
 انحراف کرتے ہیں۔ آپ کا اسلام انتر میاں سی اور ادبی جریدیں شائع
 ہوتا رہتا ہے اور لپشہ کیا جاتا ہے۔ آج کل آپ برنالہ (پنجاب)
 میں مقیم ہیں۔

عمر چند کوثر

کہاں کی فکر چہن آستیاں بھی کھو بیٹھے
 تری تلاش میں اپنا نشان بھی کھو بیٹھے
 خوشی کی چاہ میں نکلے تھے تیرے دیوانے
 خوشی کہاں کی غم جاوداں بھی کھو بیٹھے
 خود کی راہ پہ چل کر کہیں کے بھی نہ رہے
 تلاش سود میں لطف زیاں بھی کھو بیٹھے
 چلے تھے طوفِ حرم کی جو آرزو لے کر
 وہ بد نصیب ترا آستان بھی کھو بیٹھے
 متاعِ دل پہ بڑا ناز تھا ہمیں لیکن
 تری طلب میں یہ جنسِ گراں بھی کھو بیٹھے
 مرے دجور سے ملتا تھا کچھ سمرِ آغ ان کا
 مجھے مٹا کے وہ اپنا نشان بھی کھو بیٹھے
 تیری کو بیچ کے جینا پڑا جنہیں کوثر
 وہ لوگ مقصدِ عمر رواں بھی کھو بیٹھے

حرجند کوثر

راحت کی تمنا ہو تو ریل چلتے ہیں غم اور
 فر باد سے بڑھ جاتا ہے امکانِ رستم اور
 گولا لازم و ملزوم ہیں ہم روزِ ازل سے
 دنیا سے بھنی ہے کہ تم اور ہو ہم اور
 پوشیدہ ہے یہ راز ابھی اہل جہاں سے
 تزلزلینِ چین اور ہے تعمیرِ حرم اور
 مفہوم ہے دونوں کا بس اک لفظِ محبت
 وہ شانِ کرم اور نہ وہ طرزِ رستم اور
 آتے ہیں خرد مندوں کو ہم اہل جنوں یاد
 پڑ جاتے ہیں جب ساکھِ حالات میں خم اور
 آذر کے پرستار و ادھر بھی کبھی آؤ
 دیکھو مری وحشت نے ترانے ہیں ہم اور
 دشواریب ندی مری فطرت میں ہے کوثر
 مشکل ہو اگر راہ تو اُٹھتے ہیں قدم اور

گیان چند منہجور

آپ اردو کے مشہور شاعر موبیہ
 امر پند تیس جالندھری کے صاحبزادے ہیں۔
 شاعری و فن میں ملی ہے۔ زمانہ طالب علمی
 سے شعر کہتے ہیں۔ کچھ عرصہ ملٹری میں ملازمت
 کرنے کے بعد بھارت بینک میں ملازمت
 اختیار کی جو بعد میں پنجاب نیشنل بینک میں
 مدغم ہو گیا۔ اب تک وہیں ملازم ہیں اور
 پانی پت میں مقیم ہیں۔

حرم سے۔ دیر سے بیزار سا ہے
 نکاہوں میں جو پھرتے تھے ہمیشہ
 قفس میں ہے فقط مطلبِ نغاں سے
 ہم اہلِ عشق کب چلتے ہیں اُس پر
 تری بیماری آنکھوں کے اثر سے
 لگے اُن سے؟ اُنہیں کی بے غمی کا
 خدا معلوم پر کیا ہے کہ ارماں
 نہاں کرتی ہے پھر رک رک کے وعدہ
 دل اب سو پار سا کا پار سا ہے
 قصور بھی اب اُن کا باز سا ہے
 غرض کیا؟ نار سا ہے یا ر سا ہے
 جو رستہ سہل سا۔ ہو ار سا ہے
 ہمارا دل بھی کچھ سیار سا ہے
 عبت بے فائدہ۔ بے کار سا ہے
 یہ دل میں کچھ کھٹکتا خار سا ہے
 نیا اقرار بھی اِکسا سا ہے
 اگر کیا ہو کسی کے دل پہ منظور!
 تری فریاد ہی جب نار سا ہے

گیان چند منصور

نشدہ تکمیل ہے وحشت کا افسانہ ابھی

واقفِ سُوہ و زیاں ہے تیرا دیوانہ ابھی

کیوں نہ ہو فرُبِ ان شمعِ حُسن کے جلووں کی دل

اپنے جلووں سے ہے نادانف یہ پڑا ابھی

غُور میں گرمی ہے دل میں رشتی ہے کیوں نہ ہو

آتشِ نر سے ہے روشن اپنا پیمانہ ابھی

گل چراغِ دیر ہے خاموش ہے شمعِ حُرم

ساقیا! روشن ہے تیرے دم سے مہمانہ ابھی

یا تجلی طور کی ہے خودِ حجاب اندر حجاب

یا نہیں اپنا ہی جذبِ دلِ کلیمانہ ابھی

ختم ہے قصہ سرا پا گوش ہیں سب اہلِ بزم

یہ سمجھتے ہیں کہ باقی ہے کچھ افسانہ ابھی

زور تو مارا بہت بادِ مخالف نے مگر

جگمگاتا ہے اُسی عالم میں بُت خانہ ابھی

داستانِ منصور کی بے کیف ہو سکتی نہیں

مُدّتوں دوہرا گئے گی دُنیا یہ افسانہ ابھی

خمار جالندھری

جناب پرنسٹون راج کپور خمار جالندھری ۱۷ دسمبر ۱۹۳۱ء
 میں بمقام حافظ آباد (پاکستان) پیدا ہوئے۔ میٹرک (پہلا نمبر)
 پاس کرنے کے بعد فنِ مصوری کی طرف رجوع کیا۔ ابتدا میں بسلسلہ
 روزگار ایئر فورس میں بھی کچھ دیر ملازم رہے۔ بعد ازاں ہسپتال
 گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کی ملازمت اختیار کر لی۔ لیکن یہ محکمہ بھی
 اس نہ آیا۔ ۱۹۵۶ء میں آل انڈیا ریڈیو کے ادارہ میں شامل ہو
 گئے۔ کچھ سال جالندھر اسٹیشن میں انڈوس کے فرائض سرانجام
 دینے کے بعد تبدیل ہو کر جموں چلے آئے۔ طبیعت میں شعر کہنے
 کی صلاحیت موجود تھی۔ پہلے ہندی میں شاعری کرتے تھے۔
 پھر اردو شاعری کی طرف راغب ہوئے۔ اب مستقل طور پر اسی
 زبان میں شعر کہتے ہیں۔

مکتبہ اُردو ادب

خمارِ حالِ اندھری

رہ عشق میں وہ مراحل بھی آئے
 محبت کا گلشن وہ گلشن نہیں ہے
 عجب فتنہ پرور ہیں تیری نگاہیں
 کوئی مصلحت اس میں پنہاں تھی نہ
 تبسم کی موجیں ہیں پھر اُن کے لب پر
 دھڑکتا ہی رہتا ہے شام و سحر دل
 نہ دیکھو نہیں یوں نہیں یوں نہ دیکھو
 یہ اندازِ دل پر قناعت نہ ڈھائیے
 نظرِ منتظرِ دل پریشاں جبکہ شوق
 خمارِ اس طرح بھی طبیعت نہ آئے

خمارِ جالندھری

عبث اُس شوخ کا سودا ہوا ہے
 دلِ کینخت کو یہ کیا ہوا ہے ؟
 مسرت کے عوض سوغم خریدے
 محبت میں عجب سودا ہوا ہے
 زباںِ نالائستناختی میری ہر بات
 مگر ہر بات کا چرچا ہوا ہے
 ہوا ہے وا درِ فردوس ہم پر
 درِ میخانہ جا بھی وا ہوا ہے
 خسیالِ باسوا کے پیچ و خم میں
 ازل ہی سے بشرُ الجھا ہوا ہے
 تبسمِ زیرِ لبِ تیمورِ جہاں پر
 وہ شعل کس دہم میں الجھا ہوا ہے
 کسی پہلو خمار ! اس کو نہیں کلی
 مرے دل کو نہ جانے کیا ہوا ہے

مکتبہ اُردو ادب

وفا صدیقی

وفا کی منزلوں کو ہم نے اس طرح سجالیا
 قدم قدم پہر اک چرخِ آرزو جلا لیا

رہ حیات میں ہزار الجھنیں رہیں مگر
 تھرا غم جہاں ملا سے گلے لگا لیا

ہمارے حوصلے ہماری جراتیں تو دیکھئے
 قضا کو اپنی زندگی کا پاس بٹالیا

ہزار بار ہم فراترِ دار سے گزر گئے
 ہزار بار ہم نے اُن کا ظرف آزمالیا

خرد تو سامعہ دے سکی نہ راہِ عشق تہیں مگر
 جنوں ہی ایک تھا کہ جس کو ہم سفر بنالیا

پھر آج اہل جور کو شکست فاش ہو گئی
 پھر آج اہل دل نے پرچمِ وفا اٹھالیا

وفا صدیقی

دلوں میں جن کے ہو جاتا ہے عزم معتبر پیدا
 پہاڑوں سے وہ کر لیتے ہیں اپنی رگہڑ پیدا
 شکستِ شیشہِ حُل سے محبتِ جگمگاتی ہے
 کہ پتھر چوٹ کھاتا ہے تو ہوتے ہیں شہر پیدا
 جلانا پڑتا ہے خونِ متناہرات بھریا روا
 فقط آنسو بہانے سے نہیں ہوتی سحر پیدا
 وہ انسان جس کا دل معمور ہو تلہ ہے محبت سے
 وہ غیروں کے دلوں میں اپنا کر لیتا ہے گھر پیدا
 یہی مٹی زمین و آسمان کو جگمگائے گی
 انہیں ذروں سے ہونگے ایک دن شمش و قمر پیدا
 وفا شاید نہیں معلوم ہے یہ کم نکما ہوں کو
 کبھی سوکھے درختوں سے نہیں ہوتے شہر پیدا

ملکتِ اردو ادب

سعد صحرائی

آپ یکم مئی ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئے میٹرک تک
تعلیم حاصل کرنے کے بعد پنجاب گورنمنٹ میں ملازمت
اختیار کر لی۔ لیکن ملازمت کے سائنہ سائنہ تعلیم ہی جاری
رکھی۔ اور پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے اور پھر بھاکہ کا
امتحان پاس کیا۔

ہندی سنسکرت - اردو اور انگریزی ادب کا جی
بھر کر مطالعہ کیا۔ شاعری کا شوق بچپن سے ہے۔ ابتدا
میں اپنی ہر یانوسی زبان میں شعر کہتے رہے۔ اس کے بعد
ہندی میں طبع آزمائی کی۔ مستقل طور پر اردو زبان
میں فکر سخن کرتے ہیں کسی خاص سکول سے وابستہ
نہیں۔ ہر اس صاحبِ فن سے استفادہ کرتے ہیں جس
میں کچھ صلاحیت ہو۔

سعدِ صحرائی

محبت کا مزا جب ہے کہ دونوں کا یہ عالم ہو
 ادھر فحشہ کو تراغم ہو ادھر تجھ کو مراغم ہو
 مسافر کو گھر بڑھ کر لگا لیتی ہے خود منزل
 مگر یہ شرط لازم ہے کہ دل میں سعی پیہم ہو
 سحر کو شمع آخر ہو گئی خاموش یہ کہہ کر
 جہاں اک ڈھیر پھولوں کا ہو کس کس کا نام ہو
 ترے سجدے کو ہم تو دل جھکائیں گے محبت میں
 ضروری تو نہیں سر ہی تری دہلیز پر خم ہو
 انا الحق کہہ کر آنر کیوں بری الذمہ ہو جاؤں
 کہ مجھ سے زندگی کا منہتی گو تم سے کیوں کم ہو
 یہ دنیا تھے جہیل اے واعظ نادان غنیمت
 ترے خوابوں کی تین عین ممکن ہے جہنم ہو
 بھر دسہ چند روزہ زندگی پر کیا ہو جب کُندہ
 نظر کے سامنے نظر آ رہا ہے بھامِ شبنم ہو

سعد صحرائی

یار ہا دیکھ کر بھی دُنیا کو
سوچتا ہوں ابھی نہیں سمجھی
اس طرح دیکھتا ہوں دنیا کو
جیسے دُنیا کبھی نہیں دیکھی

آنکھوں والو یہ روشنی کی کرن
استفادہ کرو کہ نادر ہے
یہ کچھ اندھوں کے کام کی نہیں
شع دہرہ دروں کی خاطر ہے

جذبت آنکھوں میں گھوم جاتی ہے
زندگی جھوم جھوم جاتی ہے
شوخی بدست جب کئی بدلی
تیری زلفوں کو جھوم جاتی ہے

راج دیوانہ

جناب راجکمار دیوانہ اگر ت سلسلہ
 میں بمقام پٹیالہ پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم
 حاصل کی۔ ۱۹۵۱ء میں شاعری کا آغاز ہوا
 اس سے پہلے افسانے لکھا کرتے تھے۔ خود
 کو خیال صہبائی (مرحوم) کا شاگرد کہتے ہیں۔
 عام طور پر چھوٹی بھروں میں غزلیات کہتے ہیں۔
 نہایت خلص اور خوش خلق انسان ہیں۔
 پٹیالہ میں ادبی سرگرمیوں میں بڑے حصہ
 لیتے ہیں۔

راج دیوانہ

فچھ ڈرہے مری آہ و نغماں سے
 زمیں ٹکرا نہ جاٹے آسماں سے
 غمِ دوراں تیری تلخی کے تیراں
 نخلت ہو گیا پیرِ مٹھاں سے
 زمانے بھر میں رُسوا ہو گیا، مٹوں
 کوئی گذرے نہ ایسے امتحاں سے
 مری تعظیم کو جھکتی ہے دُنیا
 میں جب اُٹھتا ہوں تیرے آسناں سے
 فلک پر چاند تارے دم بخود ہیں
 جنوں گزرا ہے شاید کہکشاں سے
 بڑھے تو کُل جہاں کو بھونک دیں گے
 جو شعلے اُٹھ رہے ہیں آسٹیاں سے
 خرد کی آخری منزل تھی شاید
 چلا تھا تیرا دیوانہ جہاں سے

راج دیوان

مجھ کو یاد دھماں نے مارا ہائے یکسے خیال نے مارا
 نہ سرا جو تری جدائی میں اُس کو تیرے خیال نے مارا
 نئی عہد جو ترے ستم سے انہیں گردش ماہ و سال نے مارا
 پھر اسی پہ خیال آتا ہے مجھ کو جس کے خیال نے مارا
 خود اتنے کچھ کہہ کے ہو گئے نام سادگی سوال نے مارا
 مجھ کو میری جہات نے کوٹا مجھ کو میرے کمال نے مارا

لوگ کہتے جس کو دیوانہ
 اُس کو تیرے مال نے مارا

ٹی۔ این۔ سمن۔ پی۔ سی۔ ایس

جناب ٹی۔ این۔ سمن۔ پی۔ سی۔ ایس۔ ۱۹۳۳ء
میں بمقام درامنگہ پیدا ہوئے۔ آپ کے
والد گرامی لالہ منگت رام ہاجن نے آپ کی تعلیم
کے سلسلہ میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ وی۔

اے۔ وی۔ کالج جالندھر سے بی۔ اے کا امتحان
پاس کرنے کے بعد آپ نے علی گڑھ سے ایم۔ اے
(انگلش) کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ آپ
نہایت خوش خلق اور مخلص انسان ہیں۔

ان دنوں آپ ریونیو ٹریننگ سکول چنڈی گڑھ
میں تربیت حاصل کر رہے ہیں۔

جئے۔ این۔ سمن

کس کی یادوں نے شب کو گھیرا ہے
 کتنا روشن مرا اندھیرا ہے
 تیری دنیا میں کیا ہے میرے لئے
 میری دنیا میں جو ہے تیرا ہے
 کس کا غم جاگ اٹھا ہے تاروں میں
 کس نے اتنا المو بکھیرا ہے
 رقص کرتی ہیں بجلیاں جس پر
 میرا اس شاخ پر لپیڑا ہے
 روشنی دے رہے تھے دل کے داغ
 لوگ کہنے لگے سویرا ہے
 صبح ہوتے ہی غراب ٹوٹ گئے
 رات روشن تھی دن اندھیرا ہے

نی۔ ابن یمن

چلے کسی کو جو محبوبِ دل نشیں کہہ کر
 زمانہِ جھوم اٹھا ہم پر آفریں کہہ کر
 سوالِ وصل پر اُس نے خطاب کچھ نہ دیا
 فقط نگالیں جھکا لیں نہیں نہیں کہہ کر
 اُلجھ پڑے ہیں مرے ہاتھ سے نئے گیسو
 یہ کیا کیا انہیں ماراں آستیں کہہ کر
 خطا معاف صغیر! چاند میں تو داغ بھی ہیں
 غضب کیا یہ تجھے میں نے مرہ حبیب کہہ کر
 ترمی طلب میں خرد نے تو ساتھ چھوڑ دیا
 جنوں نے مقام لیا ہاتھ ہم نشیں کہہ کر

پہلے عالم

پہلے عالم ۱۹ جون ۱۹۳۱ء کو بمقام چک نمبر ۳۸۹ (ضلع لائل پور) شہری چھوٹا رام صاحب ورما کے ہاں تولد ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں تقسیم ملک کے وقت والدین کے ہمراہ روپڑ آ گئے۔ ۱۹۵۴ء میں خالصہ ہائی سکول روپڑ سے میٹرک ادا اُس کے بعد گورنمنٹ کالج روپڑ سے ایف۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ چند سال تک والد کے ہمراہ دوکان پر کام کیا لیکن عالم کی بیکار طبیعت نے فرار حجاب اور اُنہوں نے پنجاب گورنمنٹ کے محکمہ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی میں ملازمت اختیار کر لی۔ پچھتے تین سال سے اسی ملازمت کے سلسلہ میں وہ شملہ میں مقیم ہیں۔ اس دوران میں اُنہوں نے پنجاب یونیورسٹی کا امتحان ادیب فاضل امتیازی حیثیت سے پاس کر لیا ہے۔

شعر و شاعری کا شوق بچپن سے ہے اور اسی شوق نے اُن کی تعلیم کو مکمل نہ ہونے دیا۔ اب بی۔ اے کی تیاری کر رہے ہیں۔
 نہایت پُر خلوص۔ ذہین۔ سنجیدہ اور محبت پرست انسان ہیں تصنیف اور بناوٹ سے دلی نفرت ہے۔ ہر چیز کو اُس کے اصلی روپ میں دیکھنا پسند کرتے ہیں۔

ملکیتہ اردو دہلا ب

محبت شامِ غم کا نام بھی ہے
 محبت زہر کا راک جام بھی ہے
 محبت رہنمائے عقلِ انساں
 محبت آگ کا دریا ہے لیکن
 محبت آشنائے رنج و کلفت
 محبت ایک لافانی حقیقت
 محبت دو دلوں کا ریطِ باہم
 محبت ایک خارستانِ وحشت
 محبت صبح کا پیغام بھی ہے
 محبت مادہ کُلفام بھی ہے
 محبت رہزنی کا نام بھی ہے
 محبت راحتوں کا جام بھی ہے
 محبت اک چھلکتا جام بھی ہے
 محبت پھول کا انجم بھی ہے
 محبت ہجر کا پیغام بھی ہے
 محبت دلِ بری کا جام بھی ہے

محبت ہے خدا کی ذاتِ عالم
 محبت مورد الزام بھی ہے

پسیم عالم

رسم شوق اُن سے بٹھالی جائے گی
 پیار کی دنیا بسالی جائے گی
 ایک دن اُن کو بٹھا کر سامنے
 دید کی حسرت نکالی جائے گی
 اُن کی فرقت میں درو دیوار کو
 داستانِ دل سنائی جائے گی
 آتے آتے آئے گی پُندرُ صبح
 جاتے جاتے رات کالی جائے گی
 جان لے کر ہی رہے گا اُن کا غم
 یہ بلا ہرگز نہ ٹھالی جائے گی
 ختم ہو جائے گی عالمِ مے اگر
 مے کدے سے پھر مڈگالی جائے گی

طرزی بھوپالی

آپ کو بچپن ہی سے شعر و سخن کا ماحول میسر ہوا۔ دورانِ تعلیم ہی میں آپ نے شعر کہنا شروع کر دیا۔ ۱۹۵۱ء میں خاگی حالات سے مجبور ہو کر سرکاری ملازمت کی طرف راغب ہو کر نا پڑا نتیجہ کے طور پر آپ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ آج کل آپ مصیبت پریش کے زیرِ اثر محکمہ مال میں اکاؤنٹنٹ ہیں۔ آپ کی تخلیقات ملک کے مختلف شہروں سے جاری ہونے والے معیاری رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

فضائے حسن پہ جب برقی جھلملاتی ہے
دلِ خراب کی ہر آس ٹوٹ جاتی ہے
نہاری یاد کے صدقے کہ وقتِ ناگامی
نغمہ شوق کی زلفیں سنوار جاتی ہے
ہم انتظار میں بیٹھے ہیں شاخِ گل کے تلے
سنا ہے جب سے چین میں بہا آتی ہے
یہ انقلابِ زمانہ کہ ہمارا طرزی
خود اپنے حال پر اب تو ہنسی سی آتی ہے

طرزی بھوبالی

ایسے لئے محبت میں آئے تو ہیں
 ہم نے پلوں پر تارے سجائے تو ہیں
 اُن کے ہونٹوں پہ ہے پیار کی چاندنی
 زخمِ دل بار بار مسکرائے تو ہیں
 اُن کی اک پڑ بہاراں نظر کے لئے
 گل چین دھپن بجگے گائے تو ہیں
 نریش کی ہم سے بڑھ تو گئیں عظمیٰ
 دیر و کعبہ ہمیں نے بنائے تو ہیں
 پھر اٹھی ہے گھٹالے کے اکڑائیاں
 جام و میٹا ہم لڑ کھڑائے تو ہیں
 دیکھئے برق گرتی ہے طرزی کہاں
 اشیائے چین میں بنائے تو ہیں

مکتبہ اردو ادب

تلك راج بيتاب

آپ ۴۱ جزی ۱۹۳۱ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔
 بچپن سے فولوگرانی مصوری اور انجینئرنگ میں دلچسپی محقق۔
 اس لئے آپ کے والد گرامی جناب ہزاری لال انجینئرنگ لائن
 میں ڈالنا چاہتے تھے لیکن تقسیم وطن نے یہ خواب پورا نہ ہونے
 دیا۔ اور تعلیم دسویں جماعت پاس کر کے ختم کر لی پڑھی چند سال
 پنجاب میں مختلف مقامات پر گزار کر ۱۹۵۱ء میں سلسلہ ملازمت
 شملہ چلے گئے۔ اور ۱۹۵۵ء تک وہیں مقیم رہے۔ ۱۹۵۳ء
 میں والد صاحب کی وفات کے بعد سے شاعری کی ابتدا ہوئی۔
 ۱۹۵۵ء میں آپ شملہ سے تنہا چلے آئے۔
 اس دوران میں بی۔ اے کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ آج کل جالندھر
 میں مقیم ہیں۔

تنگ راج بیتاب

نغمہ عیش سے ہم آہ و فغاں تک پہنچے
ابتدا کیا تھی محبت کی کہاں تک پہنچے
کعبہ و بُتکدہ و دیر و کلیسہ ہو کر
آخر کار درِ پیرِ مُغساں تک پہنچے
دشت و گلشن کو کیا بادِ صبا نے شاداب
چند تھوڑے نہ مرے قلبِ تپاں تک پہنچے
سیرِ اُس اوجِ حقیقت کی ہے زندوں کو نصیب
طاثرِ فہم نہ زاہد کا جہاں تک پہنچے
غندہ زن آج ہیں جو مبتدیلوں پر بیتاب
وہ یہ کیا جانیں کہ کل کون کہاں تک پہنچے

مکتبہ اردو ادب

تلک راج بیتاب

آنکھ بھرائی شدتِ غم سے
 ضبطِ گریہ نہ ہو سکا ہم سے
 ساری دنیا اُداس لگتی ہے
 آپ ہوتے ہیں جب جدا ہم سے
 ہم سخن سب سے ہیں و مفصل میں
 اک نہیں تو فقط نہیں ہم سے
 بس گئے جو ہماری نظروں میں
 وہ چرانے لگے نظر، ہم سے
 ہم تو ہیں اپنی زندگی سے خفا
 آپ کیوں ہو گئے مخفا، ہم سے؟
 عرضِ غم اُن سے کیا کریں بیتاب
 وہ نظر آ رہے ہیں برہم سے

عرشِ صہبائی

آپ کے دو عزیز اشرفی مجھے

”شکستہ ہام“ اور ”شکستہ نکل“ اہل ذوق سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

”شکستہ نکل“ کو حکومتِ جموں و کشمیر کی پچھلی اگلی نے سال ۱۹۶۱ء کے انعامی مقابلہ کے

سلسلہ میں سات سو روپے کے گران قدر انعام سے نوازا ہے۔ آپ کا تیسرا اشرفی مجھے

”چشمِ نیم باز“ زیرِ ترتیب ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا کلام مختلف مرتب شدہ مجموعوں میں

شامل کیا گیا ہے۔ آپ کے احباب آپ کی زندگی کی سب سے بڑی کمزوری ہیں۔ حلقہ

احباب بہت وسیع ہے۔ بعض احباب نے آپ کی ملازمت کو بھی نقصان پہنچانے سے

گریز نہیں کیا۔ اس کے باوجود آپ ان کرم فرماؤں سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش

آتے ہیں۔ ادب میں صحت مند رجحانات کے قائل ہیں۔ صداقت کوئی اور حق پرستی

آپ کی فطرت میں شامل ہے۔ جس سے کافی نقصان اٹھا چکے ہیں اور اٹھا رہے ہیں۔

اخلاقی قدروں کے پرستار ہیں۔ سال ۱۹۵۵ء سے آل انڈیا ریڈیو کے جنرل سٹیشن کے

ادارہ میں ہیں۔

(جگہ کی کمی کے باعث آپ کا کلام اس مجموعہ میں شامل نہیں کیا جاسکا۔

جس کے لئے ہم معذرت چاہتے ہیں۔ ناشر)

ہماری مطبوعات

(نظم) "مضرب" (دوسرا ایڈیشن) شبابِ لات ایم اے ۳/-

"شکستِ جام" (دوسرا ایڈیشن) عرشِ صہبائی ۲/-

"شکستِ گل" (تیسرا ایڈیشن) عرشِ صہبائی ۲/۵۰

"بہارِ غزل" عابدِ مناوری ۲/-

نثر "آخری سودا" وجے سُوری ۲/۵۰

"ایک منزل چار راستے" مدنِ موہن شرما ۳/-

نولصورت مسروق۔ لینڈ ٹسکیپ

دیدہ زیب بلاک ڈیزائن

کیلئے

آرٹ اینڈ یا سٹوڈیوز

پہنچی چھاؤنی جموں

کی

خدمات حاصل کریں

ہمارا انشاعی پروگرام

- (نظم) "بربطِ دل" اندر جیتِ لطف ۲/-
- "چشمِ نیم باز" عرشِ صبا ۲/۵۰
- " " " " " " ۲/-
- "خیاباں" رہبرِ جدید ۲/-
- "موجِ صبا" عابدِ مناوی ۲/-
- "دہراب" ریشِ کھوسلہ اُمیدِ ایم۔ ۲/-
- (نثر) "خلش" (ناول) وجے سُوری ۳/۵۰
- "انجام سے آغاز تک" (افسانے) وجے سُوری ۲/۵۰

مکتبہٴ اردو ادب جموں

